حدیثِ قسطنطنیہ

حقائق و اوہام

★ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

★ مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ

★ مولانا سید لعل شاہ بخاریؒ

★ پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

تلخیص و ترتیب

سید مہر حسین بخاری

حدیثِ قسطنطنیہ

حقائق و اوہام

☆ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

☆ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

☆ مولانا سید لعل شاہ بخاری

☆ پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

تلخیص و ترتیب

سید مہر حسین بخاری

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

تلخیص و ترتیب

سید مہر حسین شاہ بخاری

مجلس تحفظ ناموس اہل بیت

کامرہ کلاں۔ پاکستان

شناس نامہ

نام کتاب : تحقیق حدیث قسطنطنیہ

تحقیق : شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ

: مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری ؒ فاضل دار العلوم دیوبند

: محدث جلیل مولانا محمد عبد الرشید نعمانی ؒ ، بنوری ٹاؤن کراچی

: پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی مدظلہ

تلخیص وترتیب : سید مہر حسین شاہ بخاری ۔ کامرہ کلاں

طبع اول : طبع اول ستمبر ۱۹۸۳ء

طبع دوم : ۲۰۱۳ء

کمپوزنگ : محمد بدر عالم، اٹک شہر 057-2702270

قیمت :

ناشر مجلس تحفظ ناموس اہل بیت پاکستان، کامرہ کلاں

ملنے کے پتے : شاہ نفیس اکیڈمی 37 / اے مزنگ لاہور

: مکتبہ حمادیہ عقب جنرل بس سٹینڈ اٹک شہر

: ادارہ مطبوعات ن والقلم اٹک شہر

: سید مہر حسین بخاری، بیت التوحید، کامرہ کلاں تحصیل وضلع اٹک

اظہار تشکر و امتنان

ہم اس کتاب کی اشاعت کے لیے نوجوان علم دوست شخصیت

جناب سید ذوالفقار عباس بخاری

کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی علم پروری کا ثبوت دیتے ہوئے

اس گرانقدر تحقیقی اور علمی کتاب کی اشاعت کے لیے

خطیر رقم عطیہ فرمائی جس کی وجہ سے کتاب اشاعت آشنا ہو کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچی

اللہ تبارک و تعالی سے دعا ہے کہ

وہ ان کے جان و مال میں برکت عطا فرمائے

اور انکی علم دوستی کے جذبے کو سلامت رکھے

آمین، بجاہ سید المرسلین

صلى الله عليه وعلى آله الطيبين الطاہرين

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

دیباچہ طبع دوم

مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاریؒ اور محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانیؒ کی حدیث قسطنطنیہ پر نادر بحث کو ایک طویل عرصہ قبل شائع کیا تھا لیکن وہ رسالہ جلد ہی ختم ہوگیا۔

ناصبیت کی ترویج واشاعت دیکھ کر دوبارہ اشاعت کا جذبہ پیدا ہوا تو برصغیر کے نامور شیخ الحدیث برکۃ العصر مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ صاحب کا ایک مضمون بھی سید نفیس الحسینی صاحبؒ کی وساطت سے سامنے آگیا۔

جب ان تینوں مقالات کو کمپوز کرا کے عصر حاضر کے نامور محقق پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا تو انہوں نے ضعیف العمری اور علالت کے باوجود ایک وقیع مقالہ اس پر تحریر فرمادیا، چناں چہ ان کے مختصر حالات زندگی پر تعارفی مضمون کے ساتھ ان کا یہ مقالہ بھی شامل اشاعت ہے۔ اللہ تعالی ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہوئے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے اور قدیم و جدید فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد

اہل باطل ہر دور میں مختلف حیلوں ہتھکنڈوں کو استعمال کر کے اہل حق سے ٹکراتے رہے۔آں جہانی نامحمود عباسی نے ناصبیت کا شجرہ خبیثہ بویا۔اور ذریت یزید اپنی تمام تر صلاحیتیں اس شجرہ کو پروان چڑھانے میں صرف کر رہی ہے۔اور اس سلسلہ میں دیگر کئی فرضی ناموں اور انجمنوں کے علاوہ بنوامیہ اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اگر ایک طرف یزید علیہ مایستحقہ کی مدح سرائی کی جارہی ہے تو دوسری طرف سیدنا امام حسینؓ جگر گوشہء رسولﷺ کی کردارکشی کی جارہی ہے۔اگر ایک طرف مدح یزید میں تاریخ کو مسخ کر کے اوراق کالے کیے جارہے ہیں تو دوسری طرف اہل حق پر شیعہ ہونے کے فتوے ٹھونسے جارہے ہیں۔غرض اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جارہا ہے۔

عملی طور پر جن علماء حق نے اس جہاد میں حصہ لیا ہے ان میں رئیس المحققین حضرت مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری مدظلہم العالی اور امام التاریخ حضرت مولانا محمد عبدالرشید

صاحب نعمانی مدظلہم العالی کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ یہ دونوں حضرات اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی رد یزیدیت میں ایک لاجواب شاہکار کتاب "شہید کربلا اور یزید" تحریر فرمائی۔

مولانا بخاری کی جملہ تصانیف انسائیکلو پیڈیائی قسم کی ہوتی ہیں مگر نادرہ عصر تالیف "استخلاف یزید" علم وتحقیق کا نادر شاہکار ہے۔ مولانا بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں حدیث قسطنطنیہ پر نہایت شرح وبسط سے کلام کیا ہے اور مولانا نعمانی صاحب نے بھی اپنی کتاب مستطاب "یزید کی شخصیت" میں اس حدیث پر مفصل تحقیقی بحث فرمائی ہے اور ناصبی چوں کہ مدح یزید پلید میں یہی حدیث قسطنطنیہ پیش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صحیح بخاری شریف میں یزید پلید کا مغفور ہونا لکھا ہے لہذا اس ناکارہ نے احباب کے مشورہ پر مولانا بخاریؒ اور مولانا نعمانیؒ سے اجازت طلب کی کہ آپ کی اس نادر تحقیق کو اگر یک جا کر دیا جائے تو رد یزیدیت میں ایک مستقل رسالہ مارکیٹ میں آسکتا ہے۔ چناں چہ دونوں بزرگوں نے کمال شفقت سے احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر اجازت مرحمت فرمادی۔

بس زیر نظر رسالہ میں ان دونوں بزرگوں کی نادر ابحاث کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ رسالہ مولانا بخاریؒ اور ترجمان اہل سنت مولانا نعمانیؒ کی تحقیق کا حسین امتزاج ہے۔ امید ہے قارئین کرام ہماری اس کوشش کا خیر مقدم کریں گے۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ ہماری اس ادنی سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔ آمین۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ترجمان اجداد!

مہر حسین بخاری غفرلہ

مقدمہ

ناصبی یزیدی پارٹی مدح یزید علیہ ما یستحقہ میں بڑے غرور سے جو صحیح بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم

پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا بخشا جائے گا۔

حضرت معاویہؓ نے ۵۰ھ میں ایک فوج سفیان بن عوف کی کمان میں قسطنطنیہ بھیجی اور ان کے حکم سے دوسرے صحابہ کے ساتھ یزید نے بھی جہاد میں شرکت کی اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے۔

(ا) یہ روایت مجروح و مقدوح ہے کیوں کہ اس کے متعدد راویوں پر علمائے رجال نے کلام کیا ہے۔ سلسلہ اسناد یوں ہے

حدثنا اسحٰق بن یزید بن ابرھیم الدمشقی حدثنا یحیی بن حمزہ بن واقد الدمشقی حدثنا ثور بن یزید الحمصی عن خالد بن معدان الحمصی عن عمیر بن الاسود العنسی الحمصی

اس روایت میں شروع سے آخر تک شام (دمشق و حمص) کے راویوں کا جمع ہونا

کھٹکا اور کتب رجال دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ آخر شبہ صحیح نکلا اور معلوم ہوا کہ تقریباً تمام رواۃ مجروح ہیں۔ نیز ماہرین جرح وتعدیل نے لکھا ہے کہ جس روایت کے سارے راوی شامی ہوں وہ روایت شامت سے خالی نہیں۔

اس میں اول اسحٰق کا نام آتا ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ضعیف ہیں

تہذیب میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

قال ابن ابي حاتم كتب عنه ابي سمعت ابازرعة يقول ادركناه ولم نكتب عنه

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے میرے باپ نے حدیث لکھی اور میں نے ابوزرعہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے ان کا زمانہ پایا مگر ان سے حدیث نہیں لکھی۔

دوسرے راوی یحیٰی ہیں ان کے متعلق تہذیب میں لکھا ہے

كان يرمي بالقدر روي عن ابن معين انه كان قدرياً

ان پر قدری ہونے کا الزام ہے اور ابن معین سے روایت ہے کہ یہ قدری تھے۔

تیسرے نمبر پر ثور کا نام ہے ان کے اوصاف بھی ملاحظہ فرمائیں تہذیب میں ہے

يقال انه كان قدريا وكان جده قتل يوم صفين مع معاوية وكان ثوراًاذا ذكر علياً قال لا احب رجلاًقتل جدّي نفاه اهل حمص لكونه قدرياً

کہا جاتا ہے کہ یہ قدری مذہب شخص تھا اس کا دادا صفین میں معاویہ کی ہم راہی میں قتل ہوا تھا چناں چہ جب وہ حضرت علیؑ کا ذکر کرتا تو کہتا کہ میں ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا ہو اس کو قدری مذہب ہونے کی وجہ سے اہل حمص نے

شہر بدر کر دیا تھا۔

میزان الاعتدال میں اس طرح ہے

قال احمد بن حنبل کان ثور یری القدر و کان اہل حمص نفوہ واخرجوہ

امام احمدؒ نے فرمایا کہ ثور قدری عقیدے کا تھا اور حمص کے لوگوں نے اسے شہر بدر کر دیا اور نکال دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ قدری اور ناصبی ہونے کی بنا پر اس روایت کا کیا اعتبار؟ خصوصاً ایک ناصبی دوسرے ناصبی کی مدح میں۔ اکیلا ہی راوی مجروح ہوتا تو بھی روایت کا مقدوح ہونا ظاہر تھا۔ یہاں تو دوسرے راوی بھی مشتبہ ہیں۔ رہے خالد بن معدان ان کی نسبت تقریب میں صراحت ہے کہ یرسل کثیراً یعنی وہ روایت کرنے میں ارسال [1] سے بکثرت کام لیتے تھے۔ اس سلسلہ روایت کے آخر میں عمیر بن الاسود کا نام ہے اور ان کی روایت میں بھی کلام ہے کیوں کہ آج تک محدثین عمیر بن الاسود راوی کا حدود اربعہ مشخص نہیں کر سکے۔ اور محدثین میں اس امر میں زبردست اختلاف ہے کہ عمیر بن الاسود اور عمر بن الاسود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں؟

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

والراجح التفرقة (فتح الباری۔ جلد ۶۔ صفحہ ۶۵)

اگر عمر اور عمیر دو الگ الگ شخصیتیں ہوں تو عمرو بن الاسود ثقہ ہے اور عمیر بن الاسود راوی مجہول ہے۔ کیوں کہ اس کا ایک ہی شاگرد خالد بن معدان ہے اس سے اس کی جہالت ظاہر ہوتی ہے اور ساتھ ہی پورے ذخیرہ حدیث میں عمیر سے اس روایت کے سوا کوئی دوسری روایت مروی نہیں اور ایک روایت جو کی وہ بھی مدح یزید پلید میں۔

---

[1]: ارسال یہ ہے کہ تابعی روایت کرنے میں صحابی کا نام چھوڑ دے۔

اس مندرجہ بالا صورت میں فن اصول حدیث کے مطابق نا قابل اعتبار اور اصلاً زر کم عیار ثابت ہوتی ہے۔ راوی عمیر پر مولانا بخاری مدظلہ نے تفصیلی بحث فرمائی ہے جو ان کی تحقیق میں آئے گی۔ ملاحظہ فرمائیں

نوٹ۔ مولانا بخاری کی تحقیق حدیث میں معمولی کمی بیشی کی گئی ہے۔ خصوصاً یزید کے نام کے ساتھ پلید یا علیہ ما یستحقہٗ کے الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں اور محمود احمد عباسی کے نام ساتھ آں جہانی، نامحمود یا اسی قسم کے دیگر القابات بڑھا دیے گئے ہیں۔ اس پر مولانا بخاری مدظلہم کو معذور سمجھا جائے ناشر ہی عنداللہ و عندالناس مسئول ہے۔

تعارف برکۃ العصر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمہ اللہ ۱۱/رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق 3/فروری 1898ء کو مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی ؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔آپ کا خاندان علماء زہاد کا خاندان تھا۔مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی ؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے شاگرد اور خادم خاص تھے۔جب کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی ؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔اسی طرح آپ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل ؒ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔اور اس دور کے کبار مشائخ میں سے تھے۔جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ پیدا ہوئے تو آپ کے دادا جان نے فرمایا کہ:

"اب ہمارا بدل دنیا میں آگیا ہے"

چناں چہ اس کے صرف تین ہفتے بعد ۴/شوال ۱۳۱۵ھ بمطابق 26/فروری 1898ء کو وہ وفات پا گئے۔

آپ کا بچپن گنگوہ میں گذرا۔سات سال کی عمر میں آپ کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور ۱۳۳۴ھ بمطابق 1916ء میں اپنے والد گرامی سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔آپ کی پہلی شادی کاندھلہ میں ہوئی ان کی وفات کے بعد دوسری شادی اپنے چچا حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کی صاحبزادی سے ہوئی۔مولانا محمد طلحہ مدظلہ ان کے بطن سے ہی ہیں۔

اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد یکم محرم ۱۳۳۵ھ بمطابق 28 / اکتوبر 1916ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں مدرس مقرر ہو گئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ سے دو سال میں دوبارہ کتب حدیث نہایت تحقیق اور محنت سے پڑھیں۔ اسی دوران بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کی تالیف کا کام شروع ہوا تو آپ اپنے مرشد و استاذ کے معاون مقرر ہوئے۔ خدمت حدیث شریف کی یہ ابتداء قبولیت کے اس عظیم درجہ پر فائز ہوئی کہ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمت حدیث میں مصروف و مشغول رہے۔

رجب ۱۳۴۱ھ بمطابق فروری 1923 میں بخاری شریف کے تین پاروں سے آپ کی تدریس حدیث کا آغاز ہوا۔ اور ۱۳۴۶ھ/ 1928ء میں صرف ۳۱ سال کی عمر میں آپ کو مظاہر العلوم سہارن پور کا شیخ الحدیث بنا دیا گیا۔ آپ کو اس ابتدائی جوانی میں شیخ الحدیث کا لقب خود آپ کے استاد اور مرشد نے جو وقت کے عظیم محدث بھی تھے دیا، پھر یہی لقب آپ کے نام پر بھی غالب آ گیا۔ تدریس حدیث کا سلسلہ شعبان ۱۳۸۸ھ/ جون 1955 تک جاری رہا۔ یوں تقریباً نصف صدی پر پھیلے اس زمانہ تدریس حدیث شریف کے دوران آپ نے مکمل ابو داؤد ۳۰ مرتبہ، بخاری شریف جلد اول ۲۶ مرتبہ اور مکمل بخاری شریف ۱۷ مرتبہ درس دیا۔

ساٹھ سے زائد تصانیف فی علم الحدیث جن میں بعض کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں اس پر مستزاد ہیں۔ آپ شوال ۱۳۳۳ھ بمطابق اگست 1915 میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ سے بیعت ہوئے اور ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ/ مئی 1926ء مدینہ منورہ میں چاروں سلاسل میں خلافت و اجازت کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ نیز آپ کو اپنے چچا امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس اور اپنے والد ماجد محمد یحیٰ سے بھی اجازت تھی۔ آخر عمر میں آپ پر خانقاہی

نظام کے احیاء کا جذبہ بہت غالب ہوگیا تھا اور پرانی خانقاہوں کے ختم ہوجانے کا آپ کو بہت قلق تھا۔آپ کی مساعی جمیلہ سے دنیا بھر میں مجالس ذکر قائم ہیں اور ایک سو سے زائد آپ کے خلفاء تزکیہ وسلوک کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں

آپ کی زندگی کا ایک عنوان اعتکاف بھی ہے۔رمضان المبارک میں بہت سے سالکین وذاکرین کے ساتھ اعتکاف فرماتے۔آخر میں آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور اپنی حیات مبارکہ کے آخری دس سال روضہ مبارکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں بسر فرما کر ۲/شعبان ۱۴۰۲ھ بمطابق 25/مئی 1982 کو اس دار فانی سے کوچ فرما کر جنت البقیع میں دفن ہونے کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً

سید مہر حسین بخاری۔کامرہ کلاں

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ اور مغفرت یزید

از برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ

دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلہ "ماہ نامہ تجلی" کی فروری و مارچ 1961ء کی اشاعت میں جناب مظہر سہیل بی۔اے گورکھپوری کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان "حدیث غزوۂ قسطنطنیہ" پر استفتاء شائع ہوا۔اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیش گوئی اور اس میں شرکت کرنے والے مجاہدین وغازیین کے لیے مغفرت کی بشارت ہے۔

یہ حدیث امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے۔پہلی جگہ باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء میں دوسری جگہ باب من یصرع فی سبیل اللہ فمات میں تیسری جگہ باب غزوۃ المراۃ فی البحر میں چوتھی جگہ باب رکوب البحر میں پانچویں جگہ باب ماقیل فی قتال الروم میں اور چھٹی جگہ کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندھم میں۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق ان توضیحات وتشریحات میں تھا جو بعض شراح حدیث مثلاً علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مغفور لہم کے عموم میں یزید پلید داخل نہیں ہے اس لیے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیت اور صلاحیت بھی باقی رہی ہو۔

مستفتی نے علامہ ابن التین ؒ اور علامہ ابن المنیر ؒ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیش نظر ان کے بارے میں فیھما زائحۃ من الرفض کا فیصلہ دیا ہے اور ماھنامہ تجلی کے تقریبا چار صفحات میں ان کی اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتاء دس اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور ان سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہائے امت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔ وہ دس اکابر یہ ہیں۔ مولانا الحافظ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ، مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مئو اعظم گڑھ، مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ، مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ اجمیر، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ لکھنؤ، مولانا سید ابوالاعلی صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مدیر رسالہ الفرقان لکھنؤ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کے لیے جو استفتاء مرتب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن اس کو یہاں نقل کرنا اس لیے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے اپنے جواب میں جا بجا اس کے حوالے دیے ہیں۔ استفتاء یہ ہے۔

استفتاء:

(ا) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل استفسارات وشبہات کے باب میں کیا مغفور لہم سے مغفرت اول مراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخول جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کبائر مراد ہے؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لیے کوئی خصوصیت کوئی مدح کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے کیوں کہ وہ تو

ابن التین کے لیے، میرے لیے اور تمام گناہ گاروں کے لیے عام ہی ہے مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لیے خصوصاً یزید کے لیے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں

(۲) حضور ﷺ کا ارشاد مغفور لھم کا طرز بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جہاد قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوہ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفور لھم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہوسکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لیے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انہیں مل کر ہی رہے گا کیوں کہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو متیقن و متعین ہے اس کے لیے کوئی شرط و تعلیق نہیں؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفور لھم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیب عمل نہیں بل کہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لھم میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے تو اس وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں شرط و تعلیق مانی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کا ضابطہ بنانا چاہیے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی میں اس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہیے۔

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے۔ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے، اس کا طرز بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے، مثلاً من

صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه و ما تاخر (۱) وغیرہ ۔ یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اس لیے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق جاننا میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہہ دے تو دوسرا کہے کہ واہ بھلا زید اس عموم میں کیوں کر داخل ہوسکتا ہے کیوں کہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں کسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو، پھر اس کو مدرسہ بھی جامعہ از ہر مصر کی طرح ملا ہو یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اس لیے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالم کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو اہلبیت قرآنی امہات المومنین کو۔ اہلبیت حدیثی یعنی آل عبا کو اصحاب بدر کو بل کہ جملہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ (مغفرة و اجرا عظیما کا وعدہ سبھی سے ہے) بھی اسی ناوک شرط و تعلیق کا ہدف ہیں۔

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسین رضی اللہ عنہ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرائیل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ مسلمان ہوں گے۔ چناں چہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کا مسلمان یا مسلمان رہ جانا باور ہی نہ ہوتا تھا مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسلمان کہہ دیا اور قتل حسین رضی اللہ عنہ ہی کے جرم کے ساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن

---

(۱)۔ حدیث میں وماتاخر کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ مستفتی کی غلطی یا سہو کتابت ہے

التین (یا تفتازانی یا کسی غوث قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اسے شریعت محمد ﷺ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ ولا تفرقا بین المسلمین۔ ابن علی رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائنا من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہ ﷺ کی رو سے وہ لوگ گناہ گار ہوئے؟ کیا ایسا کوئی قاتل مسلم یا آمر بقتل مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالی کہتے ہیں (یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اس لیے لکھ دیا)

(۸) حضور ﷺ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر بشارتیں اوجبوا اور مغفور لہم کی دیں تو ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشف مستقبل نہیں تھا؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع ویقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن وتخمین اور تعلیق وتانین ہی کا پہلو نکلتا ہے؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضور ﷺ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کیے ہیں تو خواب وخیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے بل کہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرت اولی مراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور ﷺ کے ارشاد مغفور لہم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشاد نبوی ﷺ اور عام قانون کو پیش نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو

میں بھی حضور ﷺ کے اس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشاد نبوی ﷺ اور عام انعام خداوندی کو پیش رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین ﷺ کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم دیانت کا۔ وہ ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے:

(دیکھیے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس ابن مرداس۔ص ۲۲۹) حضور ﷺ نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی امت کی مغفرت (تامہ) کی دعا فرمائی تو دربار الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے۔ کیوں کہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہوں گا، تو حضور ﷺ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحب حق کو جنت کا کوئی محل دے کر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف کر سکتے ہیں تو اس دعا کو جواب وہاں میدان عرفات میں تو آپ ﷺ کو نہیں ملا مگر جب آپ ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دعا مانگی تو آپ کی دعا منظور کر لی گئی، راوی کہتا ہے کہ پھر حضور ﷺ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا اور آپ ﷺ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپ ﷺ (بجز شغل دعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے۔ آخر کیا بات تھی جس نے آپ ﷺ کو ہنسا دیا؟ خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا (مغفرت امت کی) قبول فرمالی اور میری امت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرمادی تو مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے واویلا مچانے لگا،

بس اس کی بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی (انتہی)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لھم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سربہ جبین ہو رہے ہیں اور حضور ﷺ کی شانِ رحمت للعالمین ساری ہی امت کی مغفرت تامہ کے لیے بار بار دعا فرما رہے ہیں جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہوں گے۔

ابن التین اللہ میاں کی تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجیے اور حضور ﷺ جو حریص علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتل مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لیے ترحم خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور امت کو و لا تخش من ذی العرش اقلالاً کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفور لھم حضور ﷺ کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرت اولی سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بل کہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر، کوئی قاتل مسلم ہوگا کوئی آمر بقتل مسلم ہوگا، کوئی مستبشر بہ بقتل ہوگا، کوئی مدمن خمر ہوگا، کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا، کوئی شعر گوئی میں تضیع اوقات کرتا ہوگا، ایسے لوگوں کے لیے بھی جب حضور ﷺ نے مغفور لھم فرما دیا تو کیا اس (دیکھو مشکوۃ باب القدر عن سہل بن سعد) حضور ﷺ کے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالاں کہ وہ جنتی ہوتا ہے اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالاں کہ وہ دوزخی ہوتا ہے بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔ یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ۔ اب اس کی مثال بھی عہد سعادت ہی کی سن لیجیے: آں حضرت ﷺ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد

بن ابی سرح (۱) سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی۔

آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیر الٰہی کے بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آگیا مگر چوں کہ ان کو جنتی ہونا تھا اس لیے دوسری تقدیر الٰہی سے وہ سیدنا عثمانؓ کی سعی سے ان کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے۔ حالاں کہ لسان نبوت نے (جہاں تک مجھے علم ہے) ان کے بارے میں مغفور لہم کی بشارت دی بھی نہیں تھی۔ اگر یزید سپہ سالار غزوۂ قسطنطنیہ کے لیے بھی جس سے شاید کفر وارتداد ہوا بھی نہیں تھا حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ارشاد مغفور لہم کی لاج رکھنے کے لیے دوسری تقدیر۔ توبہ صادقہ قبل الموت ،وفات علی الایمان کی فرمادی ہو تو ابن التین کو اس تقدیر الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بینوا توجروا:

یہ استفتاء حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں دس شوال ۱۳۸۰ھ 28 مارچ 1961ء میں پہنچا اس کے ساتھ ایک چند سطری خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم وعمل اور تقویٰ اور اخلاق پر اعتماد ہے اس لیے گزارش ہے کہ زیادہ

---

(۱) حاشیہ از ناشر: یہ صاحب پہلے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو حضور ﷺ نے انہیں کاتبین وحی میں شامل فرمالیا۔ پھر یہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ واپس ہو گئے اور اپنی کاتب وحی والی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن مجید اور حضور ﷺ کی رسالت کے متعلق غلیظ پروپیگنڈہ شروع کر دیا، اسی وجہ سے جب مکہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اگر کعبہ شریف کے پردوں میں بھی چھپے ہوئے ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ انہوں نے انہیں چھپالیا جب حضور ﷺ اہل مکہ سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے تو حضرت عثمانؓ ان کو ہمراہ لے کر آئے اور معافی کی درخواست کی کہ ان کی بیعت بھی قبول فرمالیں۔ حضرت عثمانؓ نے تین بار استدعا کی اور حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا پھر آپ نے ان سے بیعت لے لی مگر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جب میں بیعت نہیں لے رہا تھا تو اٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔ عرض کیا کہ ہم آپ کے اشارے کے منتظر تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارہ کرے (ابوداؤد باب الحکم فی من ارتد ،نسائی باب الحکم فی مرتد ،مستدرک حاکم ،طبقات ابن سعد سیرت ابن ہشام ،الاستیعاب ،اور الاصابہ میں اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں (مہر حسین بخاری)

سے زیادہ ماہ شوال کے ختم تک اس فتویٰ کا جواب دے دیا جائے۔

حضرت المخدوم نے اپنے شدید مشاغل اور متعدد عوارض کے باوجود دو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر خدام کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی نقل تیار کریں۔ لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہوئی اس قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی اور تین ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ 19 اپریل 1961ء میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عامر عثمانی مدیر تجلی نے اس جواب کو پڑھ کر جو خط تحریر کیا وہ یہ ہے

مخدوم ومکرم مولانائے محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب استفتاء پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہوگیا تھا لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہار تشکر کرنے میں دیر ہوئی معاف فرمائیے گا۔ آں جناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصل جواب کی زحمت فرمائی۔ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے پھر جس پاکیزہ لب ولہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقش روشن ہے اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت حلم اور منکسر المزاجی کا اتباع کرسکیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتفاق ہی ہو لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم وتقویٰ بزرگوں کی شایان شان ہے اور تبحر کا امانت دار۔ تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کر کے جناب مستفتی کس نتیجہ پر پہنچیں گے یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکریہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لیے یہ سطور ہدیہ خدمت کی ہیں۔ اگر موصولہ جوابات تجلی میں شائع کیے گئے تو پرچہ ضرور حاضر خدمت ہوگا۔ آپ کی صحت وعافیت کے لیے یہ گناہ گار دعا کرتا ہے اور آں جناب سے دعائے خیر کا ملتجی ہے

(عامر عثمانی، مدیر تجلی 6/مئی 1961ء)

Scanned with CamScanner

ابھی آپ نے مدیر تجلی کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المخدوم کے لیے القاب وآداب، پاکیزہ لب ولہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن علمی مباحث میں ان کی متانت، حلم اور منکسر المزاجی تفہیم کا انداز، صاحب علم وتقویٰ، بزرگوں کے شایان شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور اونچے الفاظ ملاحظہ فرمائے لیکن انہی القاب وآداب اور صفات محمودہ سے متصف شخصیت نے مودودی صاحب کی تصنیفات وتالیفات کا جائزہ لے کر جب ان کا تعاقب کیا اور ان کے ''دجل وتلبیس'' کو آشکار کیا تو ماھنامہ تجلی کا اس پر تبصرہ اور تنقید اور درشت لب ولہجہ قارئین کے لیے تصویر کا دوسرا رخ ثابت ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا جواب

عنایت فرمائے من سلمہ، بعد سلام مسنون

کئی دن ہوئے اول رسالہ تجلی اور پھر گرامی نامہ پہنچا، رسالہ کی آمد سے تعجب ہوا کہ کیوں آیا؟ معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا پھر گرامی نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتاء اس میں ہے تو خیال ہوا کہ دارالافتاء میں بھیج دوں اس لیے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں، نہ فتاویٰ کے جواب لکھتا ہے اس ناکارہ کے نام جو فتاویٰ آتے ہیں وہ دارالافتاء ہی بھیج دیتا ہے بل کہ زبانی بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتاء کی ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے لیکن ایک صاحب نے جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور اس میں اس ناکارہ کے نام پر نظر پڑ گئی تو انہوں نے متوجہ کیا اس پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ کوئی فتویٰ نہیں ہے بل کہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے اس پر اول تو یہی خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کر دوں اس لیے کہ اول تو یہ ناکارہ اس میدان کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں کی تکلیف ہے حکیم ڈاکٹر نزول آب بتاتے ہیں نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے ہی لکھ رہے

ہیں اس لیے مراجعت کتب کی ان حالات میں ہمت بھی نہیں ہے پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے بخاری شریف پڑھانے میں ۱۳۴۶ھ سے اس حدیث پاک پر کم بیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اس لیے مراجعت کتب کی ضرورت بھی نہیں اس لیے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے وہ لکھواتا ہوں کوئی بات سمجھ میں آئے تو قبول فرمائیں کوئی بات بھی قابل قبول نہ ہو تو کالائے بد بریش خاوند، اس پرچہ کو چاک فرمادیں، ردوقدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرمائیں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔ بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے امور کا پھیلانا دینی حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدود دین میں نہیں رہتے کسی ایک جانب کو جو بادی الرائ میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شدومد سے لے کر دوسری جانب افراط وتفریط شروع کر دیتے ہیں لہذا مختصراً عرض ہے کہ

(۱) بندہ کے نزدیک مغفور لھم سے مغفرت اولی ہی مراد ہے جس سے دخول جنت اولی ہی مراد ہے اس کے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آئیں وہ آئندہ عرض کروں گا۔ اور اگر دخول غیر اولی ہی مراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔ اس صورت میں تبشیر کا مقصد ان کی موت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ کے اعتبار سے دخول جنت مراد ہے اور تبشیر عدم خلود فی النار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیث پاک کا مقتضی یہی ہے کہ ان جملہ شرکاء جیش کی جن میں یزید بھی شامل ہے مغفرت کی بشارت ہے

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہوا کرتی ہیں اس کی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر ۹ میں لکھ دی اس کے علاوہ بھی کتب فضائل اعمال میں بہت سی نظیریں ملیں گی جو کتب حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں، فضائل وضو،

فضائل نماز، فضائل جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا رہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوتا رہے۔؟

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث مغفور لہم میں مانی جائے گی وہ سب ہی جگہ ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کرلیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے مگر اس کا طرز بیان شرط وجزا سے ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے۔اسی حجۃ الوداع کے قصہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر ۹ نقل کی ہے ،حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد اشھد کم انی غفرت لھم ہے۔اس ناکارہ کے رسالہ فضائل رمضان میں متعدد روایات بغیر شرط وجزا کے آپ کو ملیں گی ،مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت یغفر لھم فی آخرہ اور حضرت انسؓ کی روایت اذا کان یوم عیدھم الخ (فضائل رمضان صفحہ ۴۰) کیا آپ اس حدیث کے جو موکد بالاحلاف بھی ہے مغفور الھم اور حدیث قسطنطنیہ کے مغفور لہم میں کوئی فرق کریں گے؟ جب کہ یہاں بھی شرط وجزا نہیں ہے، یا اس حدیث کی بنا پر جملہ صائمین کو دخول اولیٰ بخشیں گے؟ چاہے وہ کتنے ہی فسق وفجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عمد اور نہب وغارۃ کے مرتکب صائمین ہوں۔اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی۔

(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بشارتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ یا جماعت کی ہوں ان سے دخول اولی ہی مراد ہے لیکن ناوک شرط سب جگہ مجبوراً ماننا پڑے گا ورنہ نصوص قطعیہ قرآن وحدیث جن میں

کبائر پر وعیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا پڑیں گی۔ اس کے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ کی روایات ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایات تبشیر دوسری نصوص بالخصوص نصوص قطعیہ سے معارض ہو جائیں گی وہاں مجبوراً تاویل کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ ہمیشہ اختلاف روایات کے موقع پر کرنا پڑتا ہے یہی مجبوری ان سب حضرات اکابر کو سلفاً خلفاً پیش آئی جس کی وجہ سے حدیث قسطنطنیہ کی تاویلات کی ضرورت پیش آئی اور مختلف تاویلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جب کہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبوراً توجیہہ کرنی پڑی تو جمع الفوائد کی روایت (بکبیر بلین مطولا، جمع الفوائد جلد دوم صفحہ ۲۱۸، مطبوعہ مطبعۃ خیریۃ میرٹھ) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث قطب کو کیا حق ہو سکتا ہے کہ خلاف شرع کچھ کہہ سکے جب کہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا پر لاذقنک ضعف الحیوۃ و الممات کا ارشاد عالی وارد ہو گیا لیکن جب یہ روایات و من یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ (الآیۃ) کی وعیدات قطعیہ کے خلاف ہو جائیں تو غوث قطب نہیں بل کہ عام مومن بھی روایت کی تاویل و توجیہہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امر آخر کہ یزید اس کا مصداق ہے کہ نہیں لیکن جب کسی کے نزدیک وہ اس آیت کے مصداق میں داخل ہے تو وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا نص قطعی کے مقابلہ میں سب اخبار آحاد کو رد کر دیں گے یا توجیہہ کریں گے۔

(ب) بالفرض سے جو کچھ آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا اس لیے یہ ناکارہ تو کوئی حکم نہیں لگاتا۔ مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصول سلطنت اور اپنے وقار کا مخالف

اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ سب کچھ کہیں گے۔

آپ نے حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد اتقیا اللہ الخ کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث کی کون سی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعت کتب سے معذور ہے مگر جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے حضرت ام سلمہؓ کی حدیث بالا نقل فرمائی اس باب میں ابن عمر کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی، انظروا الی ھذا یسالنی عن دم البعوض و قد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ و سلم و فی روایۃ تسالونا عن قتل الذباب و قد قتلتم ابن بنت النبی صلی اللہ علیہ و سلم و فی اخری ما اسألهم عن الصغیرۃ و اجرأهم علی الکبیرۃ (للبخاری، جمع الفوائد ص ۲۱۷ جلد دوم) اگر ابن عمرؓ کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجرأ علی الکبیرۃ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابن عمرؓ کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کے لیے زیادہ مفید ہوتا کیوں کہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکب کبیرہ بتاتے ہیں، حدیث اقتلوہ کائنا من کان اگر مشہور ہے تو لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق بھی شہرت میں کم نہیں ہے بل کہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے ولتا خذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطرا او لتقصرنہ علی الحق قصرا، او لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنھم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نیز جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلق ما امر بہ کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔ لو رأیت ما لا منا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال اعجزتم الخ۔ تو اگر امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی سعی فرماتے ہیں تو وہ کیسے وعیدات بالا میں داخل ہوں گے

اور جو حضرات عوارض یا عدم قوت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً روکنا ہی چاہیے تھا، اس لیے جن صحابہ کرامؓ نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنہوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی ان پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخول اول بھی ہے اور جو جو آپ فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے لیکن خبر واحد ہے قطعی نہیں ہے اس لیے جب ان نصوص قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبائر اور قتل عمد وغیرہ پر وعیدات ہیں تو لامحالہ کوئی توجیہہ کرنی پڑے گی۔ اس لیے اکابر سلفا خلفا توجیہات فرماتے رہے۔

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپ نے سابقہ دلائل کو خود ہی رد کر دیا ہے، سلم وسلامتی والا اسلام اور شان رحمۃ للعالمینی اور مالک کی غفاریت اور رحمانیت کی روح اپنی جگہ لیکن وہی سلم وسلامتی والا اسلام حدود اور قصاص پر کتنا زور دیتا ہے وہی رحمت للعالمین جن کی شان رافت اور رحمت للعالمینی ہونا نص قطعی ہے لیکن ان ہی کی صفات میں اذا انتھک من محارم اللہ تعالیٰ شیٔ کان من اشدھم فی ذلک غضبا (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے وہ فتح مکہ کے عفو عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرما دیتا ہے کہ لا أو منھم فی حل ولا حرم، اور ابن خطل کے متعلق باستار الکعبہ کے باوجود اقتلہ کا حکم فرماتا ہے، مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآن پاک میں ان الذین یشترون بعھداللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم بھی فرماتا ہے وہ انزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانو ایفسقون بھی فرماتا ہے۔ جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ولئن اتبعت اھوائھم من بعد ماجاءک من العلم انک اذا لمن الظلمین ارشاد

فرماتاہے جو من لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الظلمون فرماتاہے ،جوانا اعتدنا للظلمین نارا احاط بھم سرادقھا بھی فرماتاہے، جوقدخاب من حمل ظلما بھی فرماتاہے، جولایرد باسناعن القوم المجرمین بھی فرماتاہے جوانّ المجرمین فی عذاب جھنم خلدون بھی فرماتاہے ،ان المجرمین فی ضلال و سعر، یوم یسحبون فی النارعلی وجوھھم ذوقوا مس سقر بھی فرماتاہے،ومن یکسب خطیئة اواثماثم یرم به بریئا فقداحتمل بھتانا واثمامبینا بھی فرماتاہے،وکفی بربک بذنوب عبادہ خبیرابصیرا بھی فرماتاہے،والذین کسبواالسیٔآت اور الذین فسقوافماواھم النار بھی فرماتاہے۔

کہاں تک نقل کروں قرآن پاک کی سینکڑوں آیات ان مضامین وعید پر مشتمل ہیں آپ خودغورکریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزیدظلم وتعدی فسق وفجور کی آیات میں داخل ہو بخاری شریف کی ایک مغفور لھم میں داخل ہونااسے کیسے بچاسکتاہے۔

یہ امر اخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یانہیں؟ لیکن اگر داخل ہوتو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیاکہیں گے؟ آپ خودمجبورہوں گے اسی کے کہنے پر جوتفتازانی وغیرہ نے کہا۔

آپ نے اس موقع پر عرفہ والی روایت مغفرت عامہ کی اپنی تائید میں لکھی مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھ دی یہ حجة لکم ہے یاحجة علیکم ؟اس نے تو آپ کی ساری تحریرکاجواب بتادیا۔کیااس روایت کامفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھرتک قتل و غارت کرتے رہیں،خوب لوٹ مار کریں،مسلمانوں کاقتل عام کریں،ان کے مالوں کولوٹیں نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں،کوئی معروف کام نہ کریں کوئی منکر نہ چھوڑیں عمربھرایک مرتبہ حج کرلیں پھرعمربھران کوچھٹی ہے،جوجومظالم چاہے کرتے رہیں وہ سب باری عزاسمہ کے ذمہ اورحقوق اللہ اوراس کے محارم کاانتہاک سب معاف؟ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتاکہ آپ

نے یہ حدیث کیوں لکھ دی جس کے متعلق ملا علی قاریؒ نے ضعفہ غیر واحد من الحفاظ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ

ظاهر الحديث عموم المغفرة وشمولها حق الله وحق العباد الا انه قابل للتقييد بمن كان معه صلى الله عليه وسلم فى تلك السنة او بمن قبل حجه بان لم يرفث ولم يفسق، ومن جملة الفسق الاصرار على المعصية و عدم التوبة ومن شرطها اداء حقوق الله الفائته وقضاء حقوق العباد

اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

اذا تاملت ذالك كله علمت انه ليس فى هذا الاحاديث ما يصلح متمسكا لمن زعم ان الحج يكفر التبعات لان الحديث ضعيف بل ذهب ابن الجوزى الى انه موضوع .

اور یہ بھی لکھا ہے کہ

قال البيهقى فلا ينبغى لمسلم ان يغر نفسه بان الحج يكفر التبعات ،فان المعصية شؤم وخلاف الجبار فى اوامره ونواهيه عظيم وأحدنا لا يصبر على حمى يوم اووجع ساعة فكيف يصبر على عقاب شديد،وعذاب اليم الخ.
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۲۱ جلد ثالث)

اس ناکارہ کی شرح مؤطا اوجز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جس میں قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

اجمع اهل السنة ان الكبائر لا يكفرها الا التوبة ولا قائل بسقوط الدين ولو حق الله كدين صلوٰة وزكوٰة.

اور اسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے

من اعتقدان الحج يسقط ماوجب عليه من الحقوق يستتاب والاقتتل ولا يسقط حق الآدمی بالحج اجماعا۔ (اوجزالمسالک، ج ثالث)

حالاں کہ مختلف طاعات کے مکفر سیئات ہونے کے بارہ میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں لیکن نصوص قطعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اکابر امت کو سلفا خلفاان کی توجیہات مختلفہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث کے مغفور لھم کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے؟

درحقیقت آپ نے عباس بن مرداس والی حدیث لکھ کر علماء کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ ابن التین کے فیصلے کو آپ کے فیصلہ پر ترجیح دیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لھم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کردیا۔لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عباس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے تو کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام وتقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل وغارت، حرام کاری، زنا کاری وغیرہ منکر (برائی) کرتے رہیں، کسی معروف (نیکی) کے پاس نہ بھٹکیں، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں البتہ عمر بھر میں ایک حج کرلیں پھر مزے ہی مزے ہیں؟

اس میں ذرا بھی تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپ نے کیا سوچ کر لکھ دی۔ابن التین کے حامیوں کی خود ہی راہ نمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث مغفور لھم قابل تاویل ہے اس لیے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپ کے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعا مؤول ہیں۔وہ اپنے ظاہر پر اگر رہیں تو آخرت میں جو ہوگا سو ہوگا، دنیا میں ظہر الفساد فی البر و البحر قائم ہوجائے گا، نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود

کہاں پہنچ گئے۔

(۱۰) بندہ کے خیال میں نمبر ۹ کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے، اس میں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بل کہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کر دیا ہے۔ میں ابن التین کی طرف سے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبین کبائر قاتل مسلم اول آمر بالقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ مغفور لھم سے معلوم ہوتا ہے اور سب کے جملہ معاصی ومظالم معاف، جنت کا دخول اولی ان کے لیے طے شدہ ہے تو پھر ساری دنیا کے بدمعاش لٹیرے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، سود خور کیوں حج سے مغفور لھم نہیں بنیں گے۔

کسی حاجی کا چاہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار قاتل مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخول اولی طے ہے۔ اور ایک حج ہی کیا فضائل اعمال کی احادیث میں تکفیر السیئات اس کثرت سے وارد ہیں کہ لاتعد ولاتحصی لیکن اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوۃ وبصیام وزکوٰۃ و یاتی من قد شتم ھذا وقذف ھذا واکل مال ھذا وسفك دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ (الی اخر الحدیث رواہ مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا پاک ارشاد آپ کے زعم باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد و من یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعد لہ عذابا عظیما، بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیث قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلت فہم کی وجہ سے اس

استدلال کو سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے بندہ کو علم نہیں کہ علام الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا، آپ کے علم میں اگر ہے تو یقینا حدیث سے استدلال کرلیں۔

اس ناکارہ نے تو قرآن پاک میں قل ماکنت بدعا من الرسل، وما ادری مایفعل بی ولا بکم پڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ ان اناسا کانو ایوخذون بالوحی فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذکم الان بماظهر لنا من اعمالکم فمن اظهر لنا خیرا أمناہ وقربناہ ولیس الینا من سریرته شئ اللہ یحاسبه فی سریرته ومن اظهر لنا سوءأ۔۔۔ لم نأمنه ولم نصدقه وان قال ان سریرته حسنة (بخاری شریف جلد دوم ص ۳۶۰) اس لیے ہم لوگ تو ظاہر حال ہی کے موافق حکم لگا سکتے ہیں، باطن احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے جن کا ظاہر فسق وفجور میں مبتلا ہو اس کو عشرہ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کا متبع ہے ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سرہ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے

اس قدر طویل سوال میں بے فائدہ بات کی ہے، حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعنت اس پر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے او پر عود لعنت کا اندیشہ ہے، لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی وخوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مرگیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔ اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا اس کے بعد ان

افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں، لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسئلہ بھی حق ہے پس جواز لعن وعدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیوں کہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط (مولانا رشید احمد گنگوہی فتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۳۹۵، مطبوعہ کراچی)

بس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے رہی یہ بات کہ اس کے فسق وفجور کی روایات یکسر غلط ہی ہیں یہ دعویٰ مشکل ہے جب کہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو بحد تواتر تقریباً پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیۃً اعتماد اٹھاتا ہے اور اگر یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر یہی کون سا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا؟ یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی تغلیط کردے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقع پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہیے یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے عوام کی عقول ان وقائع کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہیں دلائل ہر فریق کے پاس نصوص سے بکثرت ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشہور مقولہ جس کو انہوں نے مشاجرات صحابہ کے متعلق سوال پر فرمایا تھا، تلک دماء طهر الله عنها ايدينا فلا نلوث السنتنا بها، آب زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں تفصیل سے لکھ چکا ہے جی چاہے تو ملاحظہ کرلیں۔

لہذا یزید نے جو کچھ کیا وہ لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت میں داخل ہے

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانان عالم الحاد دہریت میں اور اس سے بڑھ کر بھارتی مسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں، مساعی جمیلہ کو ان کے پختہ مسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں نہ کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جواب دہی کا خطرہ۔ وفقنی اللہ ایاکم لما یحب ویرضیٰ

زکریا مظاہر العلوم (سہارن پور)

۱۱/شوال ۱۳۸۰ھ

تعارف رئیس المحققین

مولانا سید لعل شاہ بخاری رحمہ اللہ

سید لعل شاہ بخاری بن سید احمد شاہ بخاری شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمطابق 13 اگست 1918ء کو بمقام حاجی شاہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی اور حاجی شاہ سکول میں داخل ہوئے۔ابتدائی دینی تعلیم کے بعد نڑھال ضلع ملتان سے باقاعدہ دینی تعلیم کا حصول شروع فرمایا، پھر گوجرانوالہ میں مولانا محمد چراغ صاحبؒ کے ہاں تعلیم حاصل کی، وہاں سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں سے دینی علوم کی تکمیل کی اور ۱۳۶۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ صاحب، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے بلند پایہ اکابر شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں حاجی شاہ تشریف لائے اور اپنے علاقہ کے مختلف دینی مدارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔1963ء میں مستقل طور پر واہ کینٹ آگئے اور لائق علی چوک میں ایک وسیع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور وفات تک اسی مسجد ومدرسہ سے منسلک رہے۔ابتدا میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے راہنماؤں کے ساتھ مل کر شرک و بدعت کے خلاف

منظم کام کیا، اور اس علاقہ میں ایک قدیم مروجہ رسم دعا بعد از نماز جنازہ اور حیلہ اسقاط کی رد میں چند مناظروں کے علاوہ ایک نہایت محققانہ کتاب ''الکلام الموزون فی صلوۃ الجنازۃ وقویم الصراط علی مسئلۃ الاسقاط''، تصنیف فرما کر علاقہ بھر سے اس بدعت کا خاتمہ فرما دیا۔ ان ہی دنوں محمود احمد عباسی نے فتنہ ناصبیت کو جگایا اور ''خلافت معاویہ ویزید'' کتاب لکھ دی۔ جس سے ہیجان پیدا ہو گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس میں اس کتاب سے اظہار برأت فرمادی، دارالعلوم دیوبند کے اس اجلاس کی خبر ہفت روزہ خدام الدین لاہور 20 نومبر 1959ء کے شمارہ ص ۲۰ پر بھی شائع کی گئی۔ اور پھر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس فتنہ کے خلاف ''شہید کربلا اور یزید'' نامی کتاب لکھ کر محمود احمد عباسی کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاریؒ نے محمود عباسی کی اس مجموعہ خرافات کتاب کا تفصیلی رد لکھا اور محمود عباسی کے پیدا کردہ ناصبی شبہات کا تحقیقی جواب لکھا اور ناصبیت کو مبہوت کر دیا۔ اس کے علاوہ مولانا بخاریؒ کے آفریں بہار قلم سے دو درجن سے زائد نہایت وقیع علمی کتابیں وجود میں آئیں۔ جو اپنے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں مولانا محمد نافع کی کتاب حدیث ثقلین کے رد میں ''ولایت علیؓ'' اور مولانا محمد اسحق سندیلوی صاحب کی کتاب اظہار حقیقت کے جواب میں اظہار حقیقت پر بصیرت افروز تبصرہ نہایت اہم کتابیں ہیں۔ باقی کتابوں میں بشریت الرسول، جامع الآراء فی مراتب الخلفاء، عدالت صحابہؓ، السبطین السعیدینؓ، نفحات العنبر فی تفسیر سورہ الکوثر، الانصاف فی تفسیر آیۃ الاستخلاف، تسکین السائل فی خمس المسائل، رسائل ثلاثہ، ما قال اصحاب الانابہ فی مقاتلات الصحابہ، نکیرات الاعیان علی معاویہ ابن ابی سفیان، الشیخین المعظمینؓ، الختنین المکرمین، تذکرۃ المذاہب، البطش الشدید بر قول السدید البیان الاظہر لکشف مکائد المظہر، مستشرقین اور ان کے آلہ کار، ذخائر اللطائف قابل ذکر ہیں۔

نمود نمائش سے بڑی نفرت تھی۔کھانے پینے سے لے کر لباس تک انتہائی سادگی
برتتے،نہایت ملنسار اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔شوگر کے عارضہ
میں مبتلا تھے،اور وفات سے چند سال قبل ایک حادثہ میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی،17 جولائی
1990ء کو رشد و ہدایت کا یہ روشن چراغ بجھ گیا،اسی روز بعد نماز ظہر واہ کینٹ کے عام قبرستان
میں ان کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(سید مہر حسین بخاری،کامرہ کلاں)

نمود نمائش سے بڑی نفرت تھی۔کھانے پینے سے لے کر لباس تک انتہائی سادگی برتتے،نہایت ملنسار اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔شوگر کے عارضہ میں مبتلا تھے،اور وفات سے چند سال قبل ایک حادثہ میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی،17 جولائی 1990ء کو رشد وہدایت کا یہ روشن چراغ بجھ گیا،اسی روز بعد نماز ظہر واہ کینٹ کے عام قبرستان میں ان کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا،اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(سید مہر حسین بخاری،کامرہ کلاں)

نمود نمائش سے بڑی نفرت تھی۔کھانے پینے سے لے کر لباس تک انتہائی سادگی
برتتے ،نہایت ملنسار اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔شوگر کے عارضہ
میں مبتلا تھے،اور وفات سے چند سال قبل ایک حادثہ میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی، 17 جولائی
1990ء کو رشد و ہدایت کا یہ روشن چراغ بجھ گیا،اسی روز بعد نماز ظہر واہ کینٹ کے عام قبرستان
میں ان کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا،انااللہ وانا الیہ راجعون۔

(سید مہر حسین بخاری ،کامرہ کلاں)

نمود نمائش سے بڑی نفرت تھی۔ کھانے پینے سے لے کر لباس تک انتہائی سادگی برتتے، نہایت ملنسار اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔ شوگر کے عارضہ میں مبتلا تھے، اور وفات سے چند سال قبل ایک حادثہ میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی، 17 جولائی 1990ء کو رشد و ہدایت کا یہ روشن چراغ بجھ گیا، اسی روز بعد نماز ظہر واہ کینٹ کے عام قبرستان میں ان کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(سید مہر حسین بخاری، کامرہ کلاں)

حدیث قسطنطنیہ اور یزید

از قلم رئیس المحققین مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم

تعارف رئیس المحققین

مولانا سید لعل شاہ بخاری رحمہ اللہ

سید لعل شاہ بخاری بن سید احمد شاہ بخاری شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمطابق 13 اگست 1918ء کو بمقام حاجی شاہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی اور حاجی شاہ سکول میں داخل ہوئے۔ابتدائی دینی تعلیم کے بعد نڑھال ضلع ملتان سے باقاعدہ دینی تعلیم کا حصول شروع فرمایا، پھر گوجرانوالہ میں مولانا محمد چراغ صاحب ؒ کے ہاں تعلیم حاصل کی، وہاں سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں سے دینی علوم کی تکمیل کی اور ۱۳۶۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ صاحب، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی ؒ صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ؒ جیسے بلند پایہ اکابر شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں حاجی شاہ تشریف لائے اور اپنے علاقہ کے مختلف دینی مدارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔1963ء میں مستقل طور پر واہ کینٹ آگئے اور لائق علی چوک میں ایک وسیع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور وفات تک اسی مسجد ومدرسہ سے منسلک رہے۔ابتدا میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے راہ نماؤں کے ساتھ مل کر شرک وبدعت کے خلاف

منظم کام کیا، اور اس علاقہ میں ایک قدیم مروجہ رسم دعا بعد از نماز جنازہ اور حیلہ اسقاط کی رد میں چند مناظروں کے علاوہ ایک نہایت محققانہ کتاب ''الکلام الموزون فی صلوۃ الجنازۃ وقویم الصراط علی مسئلۃ الاسقاط'' تصنیف فرما کر علاقہ بھر سے اس بدعت کا خاتمہ فرما دیا۔ ان ہی دنوں محمود احمد عباسی نے فتنہ ناصبیت کو جگایا اور ''خلافت معاویہ ویزید'' کتاب لکھ دی۔ جس سے ہیجان پیدا ہوگیا۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس میں اس کتاب سے اظہار برأت فرمادی، دارالعلوم دیوبند کے اس اجلاس کی خبر ہفت روزہ خدام الدین لاہور 20 نومبر 1959ء کے شمارہ ص ۲۰ پر بھی شائع کی گئی۔ اور پھر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس فتنہ کے خلاف ''شہید کربلا اور یزید'' نامی کتاب لکھ کر محمود احمد عباسی کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاریؒ نے محمود عباسی کی اس مجموعہ خرافات کتاب کا تفصیلی رد لکھا اور محمود عباسی کے پیدا کردہ ناصبی شبہات کا تحقیقی جواب لکھا اور ناصبیت کو مبہوت کردیا۔ اس کے علاوہ مولانا بخاریؒ کے آفریں بہار قلم سے دو درجن سے زائد نہایت وقیع علمی کتابیں وجود میں آئیں۔ جو اپنے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں مولانا محمد نافع کی کتاب حدیث ثقلین کے رد میں ''ولایت علی'' اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب کی کتاب اظہار حقیقت کے جواب میں اظہار حقیقت پر بصیرت افروز تبصرہ نہایت اہم کتابیں ہیں۔ باقی کتابوں میں بشریت الرسول، جامع الآراء فی مراتب الخلفاء، عدالت صحابہؓ، السبطین السعیدینؓ، نفحات العنبر فی تفسیر سورہ الکوثر، الانصاف فی تفسیر آیۃ الاستخلاف، تسکین السائل فی خمس المسائل، رسائل ثلاثہ، ما قال اصحاب الانابہ فی مقاتلات الصحابہ، نکیرات الاعیان علی معاویہ ابن ابی سفیان، الشیخین المعظمین، الختنین المکرمینؓ، تذکرۃ المذاہب، البطش الشدید بر قول السدید البیان الاظہر لکشف مکائد المظہر، مستشرقین اور ان کے آلہ کار، ذخائر اللطائف قابل ذکر ہیں۔

نمود نمائش سے بڑی نفرت تھی۔کھانے پینے سے لے کر لباس تک انتہائی سادگی برتتے، نہایت ملنسار اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔شوگر کے عارضہ میں مبتلا تھے، اور وفات سے چند سال قبل ایک حادثہ میں ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی، 17 جولائی 1990ء کو رشد و ہدایت کا یہ روشن چراغ بجھ گیا، اسی روز بعد نماز ظہر واہ کینٹ کے عام قبرستان میں ان کی وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(سید مہر حسین بخاری، کامرہ کلاں)

حدیث قسطنطنیہ اور یزید

از قلم رئیس المحققین مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم

عباسی صاحب اور بعض دیگر حضرات نے صحیح بخاری کی جس روایت سے یزید کے جنتی ہونے کا اثبات کیا ہے وہ حدیث قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہے اور صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم میں موجود ہے ذیل میں وہ روایت مع تحقیق درج کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں

عن خالد ابن معدان ان عمیر أحدثه اتی عبادة بن الصامت و هو نازل فی ساحل حمص وهو فی بناء له معه ام حرام فحدثتنا ام حرام انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت ام حرام قلت یارسول الله انا فیهم؟ قال انت فیهم ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم فقلت انا فیهم یارسول الله؟ قال لا (صحیح بخاری، ج۱۔ص۴۱۰)

خالد ابن معدان سے روایت ہے کہ عمیر نے حدیث سنائی کہ وہ عبادہ ابن صامتؓ کے پاس آئے جب وہ ساحل حمص پر اترے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کی زوجہ ام حرام بھی تھیں، پس ام حرام نے حدیث سنائی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے میری امت کا پہلا جیش جو سمندری جنگ لڑے گا انہوں نے اپنے لیے جنت ثابت کر لی ام حرام نے کہا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان

میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا تو ان میں ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا پہلا جیش (لشکر) جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مغفور ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

اس روایت میں یزید ابن معاویہ کا نام نہیں ہے پس اس روایت سے یزید کے جنتی ہونے پر استدلال اس طریقہ پر کیا گیا ہے کہ یزید پلید اول جیش کا فرد تھا بلکہ سالار تھا۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ اول جیش مغفور ہے پس ثابت ہوا کہ یزید علیہ ما یستحقہ جنتی ہے گویا دلیل دو مقدموں سے مرکب ہے منطقی اصطلاح میں صغریٰ یہ ہے کہ یزید اول جیش میں داخل ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ اول جیش مغفور ہے پہلا مقدمہ تاریخ سے ثابت ہے اور دوسرا مقدمہ حدیث بخاری سے ثابت ہے پس نتیجہ واضح ہے کہ یزید پلید جنتی ہے مگر مجھے دلیل کے دونوں مقدمے تسلیم نہیں ہر دو مقدموں پر میری جرح ہے میں پہلے کبریٰ پر بحث کروں گا پھر صغریٰ پر، ان شاء اللہ العزیز حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

"حدیث قسطنطنیہ کی تحقیق"

صحیحین کی روایات اس لیے قابل قبول ہیں کہ ائمہ حدیث کی طرف سے انہیں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے یعنی بقول ابن تیمیہ اگر امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نہ پیدا ہوتے تو بھی یہ روایات ہم تک دوسرے محدثین سے پہنچ جاتیں ورنہ محض اس لیے کہ امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ نے انہیں روایت کیا ہے اس لیے ان پر بحث نہ کی جا سکتی ہو، معاملہ ایسا نہیں ہے۔ (منہاج السنۃ، ج ۴، ص ۵۸) صحیح بخاری کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ امام بخاری کے سوا کسی محدث نے روایت نہیں کی تفرد بہ البخاری دون الکتب والسنۃ (البدایۃ والنہایۃ، جلد ۶، ص ۲۲۲۔ منہاج السنۃ ج ۴، ص ۵۸) اس روایت پر محدثانہ انتقاد اور محققانہ کلام کی گنجائش ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول جیش۔ او جبوا۔ مدینۃ قیصر مغفور لھم کے الفاظ نہیں فرمائے۔

دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ حضرت ام حرامؓ کی یہ روایت حضرت انسؓ اور عطاء بن یسارؓ سے بھی مروی ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں حضرت انسؓ کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ - وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ - فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَمَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا البَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الأَسِرَّةِ، أَوْ: مِثْلَ المُلُوكِ عَلَى الأَسِرَّةِ"، شَكَّ إِسْحَاقُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ: وَمَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ» كَمَا قَالَ فِي الأَوَّلِ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: «أَنْتِ مِنَ الأَوَّلِينَ»، فَرَكِبَتِ البَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ البَحْرِ، فَهَلَكَتْ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرامؓ کے یہاں داخل ہوتے تھے وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں اور ام حرام عبادہ الصامتؓ کی زوجہ تھیں تو ایک روز

آپ ان کے یہاں گئے انہوں نے کھانا کھلایا اور آپ کی جوئیں دیکھنا شروع کیں (۱) آپ سو گئے جب بیدار ہوئے تو آپ ہنس رہے تھے ام حرامؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کون سی چیز ہنسی کا باعث بنی آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے ہیں سمندر کے وسط میں سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر سوار ہوتے ہیں اسحاق راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالملوک فرمایا یا مثل الملوک فرمایا۔ ام حرامؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں کر دے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اور پھر سر رکھ کر سو گئے پھر بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی چیز ہنسی کا باعث ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی الفاظ فرمائے۔ میں نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں کر دے۔ آپ نے فرمایا تو پہلوں میں ہے۔ پس ام حرامؓ حضرت معاویہ کے زمانہ امارت میں سمندر میں سوار ہوئیں اور واپسی پر سواری سے گر کر ہلاک ہو گئیں۔

حضرت انسؓ کی یہ روایت صحیح بخاری میں ص ۳۹۱، ص ۳۹۲، ص ۹۲۹، ص ۱۰۳۶ میں مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ مذکور ہے نیز صحیح مسلم و دیگر کتب میں بھی ان ہی الفاظ کے

۱: کیا معلم و مقصود کائنات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوئیں پڑ سکتی ہیں؟ جوئیں تو فاسد خون اور گندگی اور میل کچیل کی وجہ سے جسم پر پیدا ہوتی ہیں۔ دنیا میں حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ طاہر پاک اور نفیس کون پیدا ہوا ہے؟ جب کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی روحانی ظاہری باطنی طہارت کی گواہی بھی دیتا ہے۔ اور تو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ بھی پاک ہیں تو کیا کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوئیں پڑنے کا تصور کر سکتا ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ یہ تو روایت ہی منصب نبوت کے منافی ہے
آج اگر کسی ملا مشائخ کا نام لے کر کہا جائے کہ فلاں صاحب کو جوئیں پڑتی ہیں تو اس کے چیلے چانٹے ایسے شخص کی زندگی اجیرن کر دیں اور یزید کو بچانے کی بات آجائے تو منصب نبوت کے آداب سے یکسر آنکھیں بند کر لی جائیں۔ فیا للعجب (از ناشر مہر حسین بخاری)

ساتھ مذکور ہے۔ حضرت عطا ابن یسار نے بھی حضرت ام حرامؓ سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔
(ابو داؤد ج ۱، ص ۳۳۷۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۳۵)

حضرت انسؓ اور عطا ابن یسارؓ کی روایت میں آں حضور ﷺ کے خواب کا تذکرہ ہے جو آپ نے حضرت ام حرامؓ کے گھر میں دیکھا۔ دو بار آپ پر نیند طاری ہوگئی اور آپ ہنستے ہوئے بیدار ہو گئے اور دونوں بار ایک جیسے الفاظ فرمائے۔ (نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ) میری امت کے کچھ لوگ سمندری جنگ لڑ رہے ہیں، یہ خواب حضور ﷺ نے اپنی ایک بیوی کے ہاں بھی دیکھا حضرت ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں

قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ بَعْضِ نِسَائِهِ، إِذْ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ، فَضَحِكَ فِي مَنَامِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ قَالَتْ لَهُ امْرَأَةٌ مِنْ نِسَائِهِ: لَقَدْ ضَحِكْتَ فِي مَنَامِكَ، فَمَا أَضْحَكَكَ؟ قَالَ "أَعْجَبُ مِنْ نَاسٍ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ هَذَا الْبَحْرَ حَوْلَ الْعَدُوِّ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ" فَذَكَرَ لَهُمْ خَيْرًا كَثِيرًا
(مسند امام احمد ج ۱، ص ۲۹۹، مجمع الزوائد ج ۵، ص ۲۸۱)

اس اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کے ہاں تھے۔ آپ سر رکھ کر سوئے پس خواب کی حالت میں ہنسے جب بیدار ہوئے تو آپ کی بیوی نے دریافت کیا حضور آپ خواب میں ہنس رہے تھے کون سی چیز ہنسی کا باعث ہوئی آپ نے فرمایا میں تعجب کر رہا تھا اپنی امت کے بعض لوگوں سے جو اس سمندر پر سوار ہو کر اللہ کی راہ میں دشمنوں کے گرد گھیرا ڈالے جہاد کر رہے تھے۔ پس آپ نے ان کے لیے خیر کثیر کا ذکر کیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت اور حضرت ام حرام کی اس روایت کے جسے حضرت انسؓ اور حضرت عطا ابن یسارؓ نے بیان کیا ایک جیسے ہی الفاظ کا ذکر کرتی ہیں اور ان

میں اول جیش۔اوجبوا۔مدینہ قیصر۔مغفور لھم کے الفاظ جنہیں عمیر ابن الاسود العنسی نے حضرت ام حرام سے بیان کیا ہے نہیں ہیں

حضرت عطا ابن یسارؒ سے روایت ہے کہ یہ خواب آں حضورﷺ نے امرأۃ حذیفہ کے گھر بھی دیکھا جس کے الفاظ تقریبا تقریبا وہی ہیں جو انس عن ام حرام کے الفاظ ہیں۔(مصنف عبدالرزاق،ج ۵،ص ۲۸۵۔مسند الامام احمد،ج ۶،ص ۴۳۵)

عمیر ابن الاسود عن ام حرام اور انس و عطا عن ام حرام ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں محدثین کا بیان ہے کہ یہ واقعہ خواب کا حضرت ام حرام کے گھر حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا مولانا احمد علی المحدث السہارن پوری محشی صحیح بخاری مولانا عبدالعزیز کاملغوری المحدث صاحب نبراس الساری،حافظ ابن کثیر کی عبارت مصرح ہیں کہ یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔محمود احمد عباسی نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی حضرت ام حرام سے مروی ہے جن کے گھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالت خواب حضرت معاویہ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔(خلافت معاویہ ویزید ص ۳۰)

بیان کردہ خلاصہ دونوں روایتوں کو یک جا کر دینے سے حاصل ہوا۔قرین قیاس بھی یہی ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوں کیوں کہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ام حرام کے گھر آپ کا تشریف لانا شاید ایک ہی مرتبہ واقع ہوا ہو۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں زرقانی ص ۶۶،سیر الصحابیات ص ۱۶۹،اصابہ ج ۸ ص ۲۲۲،سیدنا معاویہ شخصیت وکردار ص ۶۷۳۔

انس عن ام حرام اور عمیر ابن الاسود عن ام حرام جب ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں تو یقیناً حضرت انسؓ کے الفاظ محکم اور پائیدار ہیں اور عمیر ابن الاسود کا بیان من گھڑت

اور نا قابل اعتبار ہے۔

روایت انس رضی اللہ عنہ کے وجوہ ترجیح

حضرت انسؓ کی روایت عمیر ابن الاسود کی روایت سے بوجوہ متعددہ راجح اور قابل قبول ہے۔

(۱) حضرت انس کی روایت کے سارے راوی مدنی ہیں اور عمیر کی روایت کے سارے راوی مدنی شامی ہیں (کرمانی ص، فتح الباری ص)

اور علمائے حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ احادیث میں صحیح ترین وہ حدیث ہے جسے اہل مدینہ روایت کریں پھر وہ جسے اہل بصرہ روایت کریں اور پھر اہل شام کی روایت (علوم الحدیث ص ۱۵۳)

(۲) حضرت انسؓ حضرت ام حرامؓ کے بھانجے ہیں اور گھر کے ایک فرد ہیں اور عمیر ابن الاسود اجنبی آدمی ہے۔

(۳) حضرت انسؓ نے اس روایت کو براہ راست آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی منسوب کیا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور عمیر تابعی المخضرم ہیں

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو راویوں نے نہایت حزم واحتیاط سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں ضبط کیا ہے۔ صرف ایک لفظ میں روای کو شک ہوا ہے اس نے اس کی تصریح کردی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالملوک علی الاسرۃ فرمایا یا مثل الملوک علی الاسرۃ فرمایا بخلاف عمیر کی روایت کے کہ کوئی ضمانت نہیں کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ ضبط کیے ہیں

(۶) حضرت انسؓ کی روایت کو تمام محدثین نے بالاتفاق قبول کیا ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کریں گے اور عمیر ابن الاسود کی روایت کو امام بخاری کے سوا کسی محدث نے روایت نہیں کیا۔

(۷) امام بخاری نے بھی (باب ما قیل فی قتال الروم) بصیغہ مجہول تعبیر کر کے شاید اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

(۸) حضرت انسؓ نے روایت کا پورا پس منظر بیان کیا ہے اس لیے ان کی روایت کو محدثین نے اتم سیاقا کہا ہے۔

(۹) حضرت انسؓ کو حضرت ام حرامؓ نیز آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحبت مجالست اور ملازمت کا زیادہ موقع ملا ہے بخلاف عمیر ابن الاسود کے کہ وہ صرف ایک مجلس کے مدعی ہیں ایک اجنبی کے لیے ایسی مجالست عقلاً، عادۃً، عرفاً، شرعاً مستبعد معلوم ہوتی ہے۔

(۱۰) عمیر بن الاسود سے بیان کرنے والا اس کا ایک ہی شاگرد خالد بن معدان ہے بخلاف حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کہ ان سے ان کے متعدد شاگرد روایت کرنے والے ہیں اور تقریباً ایک جیسے الفاظ نقل کرتے ہیں نقشہ ذیل سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں

☆ اسحق ابن عبداللہ ابن ابی طلحہ عن انسؓ عن ام حرام

صحیح بخاری ص ۳۹۱، ص ۹۲۹، ص ۱۰۳۶۔ صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۴۱۔ ابوداؤد ص ۳۳۷۔ نسائی ج ۲، ص ۵۱۔ ترمذی ص ۲۸۴۔ موطا امام مالک ص ۲۶۶۔ موطا مع مسویٰ، السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۶۵، مسند ابی عوانہ ج ۵، ص ۷۷۔ حلیۃ الاولیاء ص ۶۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم اصفہانی ص ۲۰۳

☆ محمد ابن یحییٰ ابن حبان عن انس عن ام حرام

صحیح بخاری ص ۳۹۲، ص ۴۰۵۔ صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۴۲۔ ابوداؤد ج ۱، ص ۳۳۷۔ بن ماجہ ص ۲۰۴۔ نسائی ج ۲، ص ۵۲۔ دارمی ج ۲، ص ۲۱۰۔ مسند امام احمد ج ۱، ص ۴۲۳ و ج ۲، ص ۳۶۰۔ السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۶۶۔ طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۴۳۵۔ مسند ابی عوانہ ج ۵، ص ۸۸، ۸۹، ۹۰۔ حلیۃ الاولیاء ص ۶۲۔

☆ عبداللہ ابن عبدالرحمن (ابی طوالہ) عن انس عن ام حرام

صحیح بخاری ،ص ۴۰۳۔صحیح مسلم ج ۲،ص ۱۴۲۔مسند ابی عوانہ ج ۵،ص ۸۶،

۸۷۔حلیۃ الاولیاء ص ۶۲

☆ المختار ابن فلفل عن انسؓ عن ام حرام

حلیۃ الاولیاء ۶۲

(۱۱) یہ روایت عن عطاء ابن یسار عن ام حرام ابوداؤد ج ۱،ص ۳۴۷،مسند امام احمد ج ۶،ص ۴۳۵ پر بھی مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی وہی ہیں جو حضرت انس عن ام حرام مذکور ہوئے

(۱۲) یہ خواب جو آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام حرام کے گھر دیکھا یہی خواب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض از واج مطہرات کے گھر بھی دیکھا جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ۔اس کے الفاظ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ عن ام حرامؓ کی روایت والے ہیں ،جیسا کہ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۹۹ پر مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۱ کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے

(۱۳) یہی خواب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور صحابیہ حضرت امرأۃ حذیفہؓ کے گھر بھی دیکھا تھا،اس کے الفاظ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ عن ام حرامؓ کی روایت جیسے ہیں۔ مصنف عبدالرزاق ج ۵،۲۸۵،مسند امام احمد ج ۶،ص ۴۳۵

ہم متذکرہ بالا ترجیحات کی بنا پر نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ اول جیش، او جبوا، مدینۃ قیصر، مغفور لھم کے الفاظ عمیر ابن الاسود راوی کے طبع زاد ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں اور نہ ہی ام حرام کے یہ الفاظ ہیں ۔آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ وہی ہیں جو حضرت انس اور حضرت عطاء ابن یسار نے حضرت ام حرام سے نقل

کیے ہیں (ناس من امتی یغزون البحر)

دونوں بار آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کلمات کو دہرایا ہے جیسا کہ ان روایات میں صراحتہ مذکور ہے ۔ پہلا لشکر جس کی جلوہ نمائی سے آپ متبسم ہوئے وہ وہی لشکر ہے جس میں ام حرام شریک ہوئیں اور واپسی پر شہید ہوگئیں ۔ اور اس لشکر کے سالار خود حضرت معاویہ تھے، دوسرے کی تعین کے لیے بھی کچھ آثار ہیں بہر حال یزید ابن معاویہ دوسرے لشکر کا مصداق نہیں بن سکتا متعصب ناصبی محمود عباسی کے اعتراف کے مطابق بھی وہ بری لشکر کا سالار تھا بحری لشکر کی امارت اسے نصیب نہیں ہوئی ۔

سند حدیث بھی محل نظر ہے

وجوہ ترجیح مذکورہ کے علاوہ بھی عمیر ابن الاسود کی روایت میں کلام ہے کیوں کہ آج تک محدثین عمیر ابن الاسود راوی کا حدود اربعہ مشخص نہیں کر سکے ۔ محدثین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ عمیر ابن الاسود اور عمرو ابن الاسود الگ الگ شخصیتیں ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

والراجح التفرقة (ج ٦، ص ٦٥)

اگر عمرو اور عمیر دو الگ الگ شخصتیں ہوں تو عمرو ابن الاسود راوی ثقہ ہے اور عمیر راوی مجہول ہے کیوں کہ اس کا ایک ہی شاگرد ہے خالد ابن معدان ۔ کم از کم دو شاگردوں سے جہالت مرتفع ہوتی ہے عدالت پھر بھی ثابت نہیں ہوتی ۔

واقل مایرتفع به الجهالة ان یروی عن الرجل اثنان من المشهورین بالعلم الا انه لا یثبت العدالة بروایتهما (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۳)

سارے ذخیرہ حدیث میں عمیر سے اس روایت کے سوا کوئی دوسری روایت مروی نہیں ۔ مگر یہ ایک روایت بھی کوئی تھوڑا کارنامہ نہیں ہے یزید ابن معاویہ کے لیے

جنت کا پروانہ حاصل کرنا بہت بڑا کارنامہ ہے اور عمیر کے سوا کوئی دوسرا اسے کیسے انجام دے سکتا ہے؟

بہر حال عمیر ابن الاسود کی یہ روایت اس صورت میں فن اصول حدیث کے مطابق ناقابل اعتبار اور اصلاً زرکم عیار ثابت ہوتی ہے اس لیے کسی محدث نے اس روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دینے کا حوصلہ نہیں کیا نہ جانے امام بخاری کے دربار میں یہ کیسے بار پا گئی شاید امام بخاری نے بھی باب ماقیل فی قتال الروم صیغہ مجہول کے ساتھ تعبیر کر کے اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کر دیا ہو۔

تعجب ہے کہ حضرت ام حرامؓ کو اٹھارہ برس کی طویل مدت میں ایک نامحرم شخص کے سوا کوئی تلمیذ رشید نہ مل سکا کہ اسے (اول جیش یغزون مدینۃ قیصر) کی روایت بیان کر کے عہدہ برآ ہو جائیں اور تعجب ہے کہ عمیر کو بھی زندگی بھر کوئی مرد استاد نہ مل سکا کہ بالاخر عبادہ ابن الصامت کی حرم سرائے میں داخل ہو کر حضرت ام حرام سے سند فراغت حاصل کی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

نوٹ:۔ بعض محدثین نے اس بنا پر کہ عمرو اور عمیر ایک شخصیت کے دو نام ہیں بعض روایات میں اسماء ردو بدل کر ذیے ہیں جیسا کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ ہوشیار رہیں کہیں مغالطہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

روایت پر یہ جرح اس صورت میں تھی اگر عمرو اور عمیر دو الگ الگ شخصیتیں ہوں اور دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہوں تو عمرو کی ثقاہت عمیر کو بھی ثقہ بنا دیتی ہے ایسی صورت میں عمیر کی یہ روایت منکر قرار پاتی ہے جیسا کہ فن اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ جب ثقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرے تو اس کی روایت منکر قرار پاتی ہے۔

ابن تیمیہ نے جہاں کہیں اس روایت کا حوالہ دیا ہے اس روای کو ابن عمر کے نام

سے ذکر کیا ہے خدا جانے کیا ماجرا ہے ملاحظہ فرمائیں منہاج السنۃ ج ۲، ص ۲۴۵، ۲۵۲۔ المنتقی ص ۲۸۸۔ فتاوی ابن تیمیہ ج ۴، ص ۴۱۳، ۴۸۶

شاید انہی وجوہ کی بنا پر امام بخاری نے ترجمۃ الباب (ماقیل فی قتال الروم) بصیغہ مجہول قائم کر کے ضعف روایت کی طرف اشارہ کر دیا۔

سید انور شاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کسی ایسی بات کی تخریج کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ضعیف ہو تو وہ ترجمۃ الباب قائم نہیں کرتے۔ (فیض الباری، ج ۱، ص ۲۱۸)

ہماری تحقیق ہے کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ ضعیف روایت پر ترجمۃ الباب قائم نہیں کرتے جیسا کہ شیخ شیخنا الانور نور اللہ مرقدہ کی تحقیق ہے یا ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں مگر اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قسطنطنیہ کی اس روایت پر کیا ہے۔ صحیح بخاری کی اس روایت کے کچھ اور مخفی گوشوں کو روشنی میں لانے کی ضرورت تھی مگر:

بخاری کے ادب سے کی بخاری نے نہ غواصی
وگرنہ اس سمندر میں بہت تھے لوءلوء لالاء

دلیل کا پہلا مقدمہ (صغریٰ) بھی مسلم نہیں

یزید کے جنتی ہونے کی دلیل جن دو مقدموں سے مرکب تھی ان میں دوسرے مقدمے یعنی کبریٰ پر بحث ہو چکی ہے یعنی یہ امر مبرہن ہو چکا ہے کہ (اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم) آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ اب دلیل کے پہلے مقدمہ پر بحث کی جاتی ہے یعنی (یزید اول جیش میں داخل تھا) یہ مقدمہ بھی مسلم نہیں بل کہ تحقیق اس کے خلاف ہے۔

مسلم ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید قسطنطنیہ پر حملہ

کرنے والے اس لشکر کا سالار تھا جس میں حضرت ابو ایوب الانصاری شریک تھے مگر وہ اول جیش نہیں تھا وہ دور خلافت معاویہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا آخری جیش تھا نیز روایات میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس جیش میں حضرت ابو ایوب شریک تھے اس کا سالار کون تھا۔ ابو داؤد میں دو روایتیں ہیں جن میں تصریح ہے کہ جس لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ تھے اس کے سالار عبد الرحمن ابن خالد بن ولید تھے۔ پہلی روایت ابو داؤد جلد اول ص ۳۴۰ میں ہے کہ اسلم ابی عمران روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینہ سے جہاد قسطنطنیہ کے ارادہ سے نکلے وعلی الجماعة عبد الرحمن ابن خالد بن ولید۔ رومی شہر کی فصیل سے چمٹے ہوئے تھے کہ ایک مسلمان نے ان پر حملہ کر دیا بعض لوگوں نے کہا کہ اس نے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دی اور قرآن کہتا ہے لاتلقوا بایدیکم الی التھلکة اس پر ابو ایوب انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اتری۔ اے معشر انصار! کہ جب اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد فرمائی اور اسلام غالب ہو گیا تو ہم نے جہاد ترک کر دیا اور دنیا میں مشغول ہو گئے گویا یہ آیت ترک جہاد پر وعید ہے راوی حدیث اسلم ابی عمران فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ابو ایوب بے جگری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں ہی مدفون ہوئے ابو داؤد کی اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور ترمذی نے روایت کر کے حدیث حسن صحیح غریب کہا (ترمذی کتاب التفسیر)

ابو داؤد کی دوسری روایت ابو داؤد جلد ثانی ص ۱۰ پر ہے جس کا مضمون یہ ہے:

عبد الرحمن ابن یعلی فرماتے ہیں کہ ہم نے عبد الرحمن ابن خالد کی معیت میں جہاد کیا ہم دشمن کے چار قوی مرد گرفتار کر کے لائے گئے۔ جو عبد الرحمن ابن خالد کے حکم سے قتل کیے گئے حضرت ابو ایوب الانصاری کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور فرمایا:

سمعت رسول اللہ ... نهى عن قتل الصبر والذي نفسي بيده لو كانت دجاجة ما صبرتها مجھے اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اسے صبراً قتل نہ کرتا۔ پس حضرت عبدالرحمن ابن خالد نے چار غلام آزاد کروائے۔ ابو داؤد کی اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل نے مسند میں روایت کیا ہے (مستدرک ص، مسند ج ۵، ص ۴۲۲)

ابو داؤد کی یہ روایتیں نہایت واضح اور قاطع ہیں کہ جس لشکر میں حضرت ابوایوب الانصاری تھے اس کے سالار عبدالرحمن ابن خالد تھے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں مختلف کتب کے حوالہ جات سے لکھتے ہیں کہ جس لشکر میں حضرت ابوایوب انصاری تھے اس لشکر کا سالار یزید ابن فضالہ ابن عبید تھا (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۲۲۹۔ تفسیر ابن جریر الطبری ج ۳ ص ۵۹۱)

یہ روایت ترمذی کتاب التفسیر اور مستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۷۵ میں موجود ہے روایت کے اس شدید اختلاف کو دور کر کے انہیں ایک نقطہ پر جمع کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ ان کے تطابق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

پہلی صورت:

تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ مدنی لشکر کے امیر عبدالرحمن ابن خالد ہوں اور سارے لشکر کے سالار یزید ابن فضالہ ہوں اور صحیح بخاری میں یزید ابن معاویہ کا نام جو ضمنی طور آگیا ہے وہ ابراہیم ابن سعد راوی کی سبقت لسانی سے آگیا ہو۔ ابوعوانہ نے تصریح کی ہے کہ (خرجنا فی غزاۃ مع یزید ابن معاویہ) کے الفاظ ابراہیم ابن سعد راوی کے سوا کسی دوسرے راوی کے نہیں ہیں (مسند ابی عوانہ ج ا ص ۱۲)

ابراہیم راوی اگرچہ ثقہ ہے اور اصحاب الستہ نے اس سے روایت کی ہے لیکن تاہم بھی مختلف فیہ راوی ہے اور بعض ائمہ اس کی تضعیف کی طرف بھی مائل ہوئے ہیں (میزان الاعتدال ج ا ص ۳۴)

تطبیق کی دوسری صورت:

دوسری وجہ تطبیق کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ آور لشکروں میں ایک لشکر کا سالار اعلیٰ یزید ابن معاویہ ہو اور اسی لشکر کے شامی دستہ پر یزید ابن فضالہ یا فضالہ ابن عبید ہوں اور مدنی دستہ پر عبد الرحمن ابن خالد ہوں اور ابوایوب مدنی دستہ میں شامل ہوں امام بخاری کے احترام کے پیش نظر ہم دوسری صورت کو ترجیح دیتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ یزید ابن معاویہ اس جیش کا سالار تھا جس کے مدنی دستہ میں حضرت ابوایوب شامل تھے اور اس کے امیر عبد الرحمن ابن خالد تھے مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ پہلا لشکر نہیں تھا بلکہ عہد معاویہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکروں میں وہ آخری لشکر تھا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر مختلف جیوش نے مختلف امراء کی قیادت میں حملے کیے ہیں اسی لیے مؤرخین کو اشتباہ واقع ہو گیا ہے۔

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کب ہوا:

اس سلسلہ میں بھی مؤرخین کا بیان مختلف ہے شیخ محمد الخضری لکھتے ہیں

فی سنة ۴۸ھ جهز معاویه جیشا عظیما لفتح قسطنطنیه

کہ ۴۸ھ میں معاویہ نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے ایک عظیم الشان لشکر روانہ کیا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۱،ص ۱۱۴)

حافظ ابن کثیر ۴۹ھ وقیل ۵۰ھ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۹ تحقیق مزید ص ۲۸۔

طبری اور ابن اثیر بھی ۴۹ھ کے قائل ہیں کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳۱، طبری ج ۴ ص ۱۳۱۔

امام النواصب آں جہانی محمود احمد عباسی کا بیان بھی مختلف ہے ۴۹ھ خلافت معاویہ ویزید ص ۲۸، تحقیق مزید ص ۲۳۰، ص ۵۴۵۔ ۵۰ھ تحقیق مزید ص ۲۴

مورخین کے اس اختلاف کے بارے میں عباسی صاحب کی رائے یہ ہے

چوں کہ متعدد سالوں تک جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزید کی

قیادت میں جاری رہیں اس لیے مورخین کے بیان کردہ سنین میں اور بحری جنرلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۳۲)

آں جہانی محمود عباسی کا یہ بیان نہایت وقیع اور حقیقت افروز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مورخین پر التباس حقیقت کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ ناصبیوں نے یزید پلید علیہ ما یستحقہ پر حدیث قسطنطنیہ راست کرنے کے لیے جو کھینچ تان کی ہے اس کے سبب بھی حقیقت قیل وقال میں پنہاں ہو کر رہ گئی ہے مگر کچھ ذرائع ایسے بھی ہیں جن کے طفیل حقیقت آشکارا ہو سکتی ہے

حقیقت آشکارا کرنے کے ذرائع:

ہم ان شاء اللہ العزیز تاریخی مسلمات اور خود دور حاضر کے ناصبیوں کے امام آں جہانی محمود احمد عباسی کے معترفات سے ثابت کریں گے کہ یزید پلید ابن معاویہ اول جیش میں شامل نہیں تھا وہ دور خلافت معاویہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے تمام لشکروں میں آخری لشکر کا سالار تھا وہ مسلمات اور معترفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت معاویہ نے ارض روم پر سولہ مرتبہ فوج کشی کی چناں چہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

فاغزا معاوية ارض الروم ستة عشر غزوة (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳)

(۲) ایک لشکر سردیوں میں جاتا وہ واپس آتا تو دوسرا گرمیوں میں جاتا اور وہ واپس آتا

کان یغزو فی سنة مرتین مرة فی الصیف و مرة فی الشتاء (البدایہ و النہایہ ج ۸، ص ۱۲۷)

محمود عباسی صاحب اس کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) مورخین کا بیان ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی

بری و بحری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۵)

(۲) مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہ نے عیسائیوں کے خلاف ۱۶/مرتبہ غزوات اور جہاد کیے (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۲۵)

(۳) امیر المومنین معاویہ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لیے دو افواج تیار کیں۔ سردیوں کی شواتی کہلاتی اور گرمیوں کی فوج صوائف (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۲۷)

"قسطنطنیہ کی مدت محاصرہ"

عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے سولہ مرتبہ جہادی مہمیں رومی عیسائیوں کے خلاف مختلف سنین اور مختلف سپہ سالاروں اور امراء بحر کی قیادت میں بھیجی تھیں اور جہاں چار سال تک رومیوں کے مستقر کا محاصرہ جاری رہا۔ (تحقیق مزید ص ۴۴۰)

چار سال تک محاصرہ جاری رہا (تحقیق مزید ص ۴۴۱، خلافت معاویہ و یزید ص ۴۳۱)

قسطنطنیہ پر حملہ آور لشکروں کی تعداد

ناصبیوں کے امام آں جہانی محمود عباسی کی تصریحات کے بموجب عہد خلافت معاویہ میں قسطنطنیہ پر حملہ آور لشکروں کی تعداد آٹھ بنتی ہے اور یہ قرین قیاس ہے کہ سات سالوں میں سولہ حملے ہوئے تو چار سالوں میں بہر حال آٹھ حملے قسطنطنیہ پر ہوئے ہوں گے جن میں چار شواتی اور چار صوائف ہیں۔

ہم ان چار شواتی اور صوائف کا نقشہ خلافت معاویہ و یزید کی بعض عبارات کی مدد سے تیار کرتے ہیں۔ خلافت معاویہ و یزید ص ۴۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ صائفہ کی آمد و رفت

اپریل سے ستمبر کے مابین ہوتی اور سنین اربعہ کی تعین بھی تقریباً عباسی صاحب کی کتابوں میں دیے گئے مورخین کے حوالوں سے اخذ کر کے لکھی جاتی ہے۔

شواتی جیوش جنہوں نے سردیوں میں حملہ کیا	صوائف جیوش جنہوں نے گرمیوں میں حملہ کیا
(۱) اکتوبر 668ء تا مارچ 669ء بطابق شعبان ۴۸ تا صفر ۴۹ھ	(2) اپریل 669ء تا ستمبر 669ء بطابق ربیع الاول ۴۹ھ تا شعبان ۴۹ھ
(۳) اکتوبر 669ء تا مارچ 670ء بطابق رمضان ۴۹ھ تا ربیع الاول ۵۰ھ	(۴) اپریل 670ء تا ستمبر 670ء بطابق ربیع الثانی ۵۰ھ تا رمضان ۵۰ھ
(۵) اکتوبر 670ء تا مارچ 671ء بطابق شوال ۵۰ھ تا ربیع الثانی ۵۱ھ	(۶) اپریل 671ء تا ستمبر 671ء بطابق ربیع الثانی 51ھ تا شوال ۵۱ھ
(۷) اکتوبر 671ء تا مارچ 672ء بطابق شوال ۵۱ھ تا ربیع الثانی ۵۲ھ	(۸) اپریل 672ء تا ستمبر 672ء بطابق ربیع الثانی ۵۲ھ تا شوال ۵۲ھ

مندرجہ بالا نقشہ میں شہور وسنین ہجری وعیسوی ہر دو نمایاں کیے گئے ہیں تاکہ بری اور بحری اور شواتی اور صوائف جیوش کی تمیز بسہولت ہو سکے۔ یعنی شواتی جیوش جو سردیوں میں حملہ آور ہوتے ہیں وہ بحری، اور صوائف جو گرمیوں میں حملہ کرتے ہیں وہ بری ہیں۔

ان آٹھ لشکروں میں سے یزید ابن معاویہ صرف ایک لشکر کا سالار تھا۔ سارے جیوش اس کی قیادت میں نہیں تھے چناں چہ رئیس الضالین محمود عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی (الخ)۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۹)

ظاہر ہے کہ سپہ سالار امیر یزید کی امامت میں تمام مجاہدین نے نہ صرف نماز جنازہ ہی ادا کی بل کہ تقریباً چھ ماہ تک پنج وقتہ نمازیں بھی ادا کیں (تحقیق مزید ص ۴۱۳، ص ۴۴۵)

چار ماہ مدت محاصرہ اور چھ ماہ کل مدت آمد ورفت صرف ایک ہی جیش کے حملہ کی بنتی ہے معلوم ہوا یزید ابن معاویہ قسطنطنیہ پر حملہ آور لشکروں میں ایک لشکر کا سالار تھا اور معروف ہے کہ وہ صائفہ بری لشکر کا سالار تھا۔ جیسا کہ محمود عباسی نے بکرات مرات اس کی تصریح کی ہے کہ

خود امیر یزید نے درخواست کی تھی کہ تولینی الصائفلکہ مجھے صائفہ کا سالار بنائیے (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۲۵)

گرمیوں کے موسم میں چار لشکروں نے حملہ کیا تھا آپ معلوم کرنا چاہیں کہ ان میں سے یزید ابن معاویہ کون سے لشکر کا سالار تھا تو آپ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کی وفات معلوم کرلیں اس لشکر کی تعین خود بخود ہو جائے گی۔

حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات میں اختلاف کیا گیا ہے بعض نے ۵۰ھ اور بعض نے ۵۱ھ اور بعض نے ۵۲ھ لکھی ہے۔ لیکن راجح اور صحیح قول ۵۲ھ کا ہے چناں چہ محققین کی تصریحات ملاحظہ ہوں

(۱) مولانا احمد علی المحدث سہارن پوریؒ لکھتے ہیں

وتوفی بھا ابو ایوب الانصاری ۵۲ھ اثنتین وخمسین من الھجرۃ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

یعنی غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے ۵۲ھ میں وفات پائی

(۲) حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں

وکانت غزوۃ یزید ۵۲ھ اثنتین وخمسین من الھجرۃ (فتح الباری طبعۃ المکتبۃ الریاض الحدیثیہ ج ۶ ص ۱۰۳)

یعنی غزوہ یزید 52ھ میں ہوا۔

(۳) علامہ قسطلانی لکھتے ہیں

توفی فیہا ابو ایوب 52ھ اثنتین وخمسین من الھجرۃ (قسطلانی ج ۵،

ص ۱۰۴)

یعنی غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ 52ھ میں فوت ہوئے

(۴) علامہ بدرالدین العینی لکھتے ہیں

والاصح انہ مات 52ھ اثنتین وخمسین (عمدۃ القاری ج ۶، ص ۴۶۹)

یعنی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ۵۲ھ میں فوت ہوئے

(۵) علامہ ذہبی لکھتے ہیں

مات ابو ایوب ۵۲ھ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۹، سیر أعلام النبلاء ج ۲، ص ۴۱۲)

یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ ۵۲ھ میں فوت ہوئے

(۶) مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ لکھتے ہیں

توفی فی غزاۃ القسطنطنیہ ۵۲ھ اثنتین وخمسین (بذل المجہود، ج ۱،

ص ۷)

یعنی غزوہ قسطنطنیہ ۵۲ھ میں وفات پائی۔

(۷) حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں

بل کان ذالك 52ھ اثنتین وخمسین وھوالاکثر فی

القسطنطنیۃ (الاستیعاب تحت الاصابہ، ج ۱، ص ۴۰۴)

یعنی: بل کہ وہ ۵۲ھ میں ہوا

(۸) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

وذالك 52ھ اثنتین وخمسین ومعھم ابو ایوب فمات ھ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۵۹ وج ۶، ص ۲۲۳)

(۹) امام حاکم لکھتے ہیں

توفی عام غزاة یزید القسطنطنیة فی خلافة ابیه 52ھ اثنتین و خمسین (مستدرک للحاکم ج ا ص ۴۵۸)

(۱۰) خود محمود عباسی نے خلافت معاویہ و یزید ص ۳۵ میں امیر شکیب ارسلان کی جو عبارت بحوالہ ابن سعد نقل کی ہے، اس میں بھی لکھا ہے

وتوفی ابو ایوب عام غزا یزید ابن معاویه القسطنطنیه فی خلافة ابیه (حاضر العالم الاسلامی، باب محاضرات العرب لقسطنطنیہ بحوالہ ابن سعد ص)

محدثین و مورخین کے مندرجہ بالا بیان سے ناظرین کرام نے معلوم کرلیا ہوگا کہ یزید ابن معاویہ نے قسطنطنیہ پر ۵۲ھ میں حملہ کیا تھا ۵۲ھ صائفۃ حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکروں میں آخری لشکر تھا پس معلوم ہوا کہ یزید ابن معاویہ آخری لشکر کا سالار تھا اول جیش میں شرکت اسے نصیب نہیں ہوئی۔

ایک اور دلیل

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ۵۲ھ میں بوطیانوس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا طیباریوس بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت سات برس رہی۔ اسی کے زمانہ میں یزید ابن معاویہ نے بسر کردگی عساکر اسلامیہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔ ایک مدت تک اسے محاصرے میں رکھا۔ ابوایوب انصاری اس کے حصار میں شہید ہوئے اور وہیں دفن کر دیے گئے، محاصرے کے چند دنوں بعد یزید ابن معاویہ اور طیباریوس قیصر کی اس امر پر صلح ہوگئی کہ شام کے کل کنائس (گرجے) معطل کر دیے جائیں اور کوئی شخص حضرت ابوایوب انصاری کی قبر سے تعرض نہ کرے۔ اس مصالحت کے ہوجانے سے اسلامی لشکر واپس آگیا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد دوم ص ۱۲۹)

ابن خلدون کی مندرجہ بالا تصریح سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ یزید پلید کا یہ حملہ عہد معاویہ میں قسطنطنیہ پر آخری حملہ تھا اس کے بعد مصالحت کی وجہ سے حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ 48ھ میں سردیوں کے موسم میں بحری راستہ سے ہوا تھا اور اس جیش کے سالار سفیان ابن عوفؓ تھے۔ چناں چہ محدثین اور مورخین نے اس کی تصریح کی ہے۔

(۱) حافظ ابن حجرؒ حضرت سفیان بن عوف کے حالات میں لکھتے ہیں

کہ جب سفیان ابن عوف نے ارض روم پر حملہ کیا باب الذھب تک پہنچے اہل قسطنطنیہ نکلے انہوں نے کہا

واللہ لا ندری أخطاتم الحساب ام کذب الکتاب ام استعجلتم المقدر فانا وانتم نعلم انہا تستفتح ولکن لیس ھذا زمانہا (الاصابہ ج ۲ ص ۵۷)

اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے کہ آیا تم حساب میں خطا کر گئے ہو یا کتاب جھوٹی ہو گئی یا تم نے میعاد مقررہ میں تعجیل کی ہے کہ ہم اور تم دونوں فریق جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھوں عن قریب فتح کیا جائے گا لیکن اس کا یہ وقت نہیں ہے۔

(۲) علامہ بدرالدین العینی فرماتے ہیں

قیل سیر معاویہ جیشا مع سفیان ابن عوف الی القسطنطنیۃ

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۶۵۹)

کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے ایک جیش سفیان ابن عوف کی معیت میں قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا۔

(۳) الشیخ محمد الخضری لکھتے ہیں

وفی سنۃ ۴۸ھ جھز معاویۃ جیشا عظیما لفتح قسطنطنیۃ وکان

علی الجیش سفیان ابن عوف (محاضرات الامم الاسلامیہ ج ۲، ص ۱۱۴)

۴۸ھ میں معاویہ نے ایک عظیم لشکر فتح قسطنطنیہ کے لیے تیار کیا اور اس جیش کے امیر سفیان ابن عوف تھے۔

(۴) صاحب عیون الاخبار عن دول البحار لکھتے ہیں

۴۸ھ جهز جیشا کثیفا تحت قیادة سفیان ابن عوف (عیون الاخبار عن دول البحار ص)

کہ ۴۸ سنہ ھ میں حضرت سفیان ابن عوف کی قیادت میں حضرت معاویہ نے ایک کثیر التعداد لشکر تیار کیا

(۵) السید احمد ابن زینی دحلان" لکھتے ہیں:

وفی سنة تسع واربعین وقیل ثمان واربعین سیر معاویة جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزو وجعل علیهم سفیان ابن عوف (الفتوحات الاسلامیہ ص ۱۶۱)

۴۹ سنہ ھ میں اور کہا گیا کہ ۴۸ سنہ ھ میں معاویہ نے ایک بہت بڑا لشکر بلاد روم کی طرف برائے غزا روانہ کیا اور اس پر سفیان ابن عوف کو سالار مقرر کیا

(۶) وفی ۴۹ھ ارسل معاویة جیشا کثیفا مع سفیان ابن عوف لافتتاح القسطنطنیة (تاریخ دول الاسلام ص ۱۶۵)

۴۹ سنہ ھ میں حضرت معاویہ نے ایک عظیم لشکر سفیان ابن عوف کی معیت میں روانہ کیا قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے پس وہ جرار لشکر کے ساتھ چلے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔

(۷) مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں

علی الجیش سفیان ابن عوف (محاضرات الامم الاسلامیہ ج ۲، ص ۱۱۴)

۴۸ھ میں معاویہ نے ایک عظیم لشکر فتح قسطنطنیہ کے لیے تیار کیا اور اس جیش کے امیر سفیان ابن عوف تھے۔

(۴) صاحب عیون الاخبار عن دول البحار لکھتے ہیں

۴۸ھ جھز جیشا کثیفا تحت قیادۃ سفیان ابن عوف (عیون الاخبار عن دول البحار ص)

کہ ۴۸ سنہ ھ میں حضرت سفیان ابن عوف کی قیادت میں حضرت معاویہ نے ایک کثیر التعداد لشکر تیار کیا

(۵) السید احمد ابن زینی دحلان ؒ لکھتے ہیں:

وفی سنۃ تسع واربعین وقیل ثمان واربعین سیر معاویۃ جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزو وجعل علیھم سفیان ابن عوف (الفتوحات الاسلامیہ ص ۱۶۱)

۴۹ سنہ ھ میں اور کہا گیا کہ ۴۸ سنہ ھ میں معاویہ نے ایک بہت بڑا لشکر بلاد روم کی طرف برائے غزا روانہ کیا اور اس پر سفیان ابن عوف کو سالار مقرر کیا

(۶) وفی ۴۹ھ ارسل معاویۃ جیشا کثیفا مع سفیان ابن عوف لافتتاح القسطنطنیۃ (تاریخ دول الاسلام ص ۱۶۵)

۴۹ سنہ ھ میں حضرت معاویہ نے ایک عظیم لشکر سفیان ابن عوف کی معیت میں روانہ کیا قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے پس وہ جرار لشکر کے ساتھ چلے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔

(۷) مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں

۴۹ھ میں آپ نے قسطنطنیہ کی جانب زبردست لشکر روانہ کیا جس کا سپہ سالار سفیان ابن عوف کو مقرر فرمایا (حضرت معاویہ وتاریخی حقائق ص ۲۴۲ بحوالہ النجوم الزاہرہ ج 1 ص ۱۳۴)

(۸) عمر ابو النصر لکھتے ہیں

تیسرا حملہ ۴۸ھ مطابق 668ء امیر معاویہ نے قسطنطنیہ پر بری و بحری فوج روانہ کی سپہ سالار سفیان ابن عوف تھے (معاویہ از ابو النصر ص ۱۳۶)

(۹) انیس زکریا نصولی لکھتے ہیں

حضرت معاویہ کے لشکر شمال میں قسطنطنیہ تک جا پہنچے تھے جب کہ آپ نے بلاد روم (انا صول [1]) کی طرف ایک بڑا بھاری لشکر بھیجا تھا اور سفیان ابن عوف کو سپہ سالار بنایا تھا (امیر معاویہ ترجمہ عبد الصمد صارم ص)

(۱۰) شاہ معین الدین ندوی تحریر فرماتے ہیں

اس سلسلے میں انہوں نے ۴۹ھ میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ ایک لشکر جرار سفیان ابن عوف کی ماتحتی میں قسطنطنیہ روانہ کیا (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۶۶ بحوالہ ابن اثیر)

مندرجہ بالا حوالوں سے اتنی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آور لشکر کے سپہ سالار سفیان ابن عوف تھے۔ یزید پلید نہ تھا۔ ان میں سے بعض کتابوں نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر میں روانہ کیا تھا اور حضرت ابو ایوب الانصاری ؓ و دیگر صحابہ بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ سو گزارش ہے کہ یہ نتیجہ ہے اختلاط روایات کا۔ ورنہ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے کہ یزید ابن معاویہ آخری لشکر کا سالار تھا وہ پہلے لشکروں میں شریک نہ تھا اور حضرت ابو ایوب الانصاری اس لشکر میں شریک تھے جو ۵۲ھ

---

[1] ۔ موجودہ ترکی کا ایشیائی حصہ جو اس زمانے میں رومی سلطنت میں شامل تھا۔

میں یزید ابن معاویہ کی امارت میں روانہ ہوا تھا

ابن اثیر اور ابن خلدون نے حقیقت بے نقاب کر دی:

کسی حد تک یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت معاویہ نے یزید پلید کو اس لشکر میں جانے کا حکم دیا تھا مگر یزید پلید نے اس حکم کی تعمیل میں سستی کی اور اس لشکر کا ساتھ نہ دیا چناں چہ ابن اثیر و ابن خلدون لکھتے ہیں

سیر المعاویۃ جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاۃ وجعل علیھم سفیان ابن عوف وامر ابنہ یزید بالغزاۃ معھم فتثاقل واعتّل فامسك عنہ ابوہ فاصاب الناس فی غزائھم جوع ومرض شدید فانشا یزید یقول

ما ان ابالی بما لاقت جموعھم
بالفرقدونہ من حمی ومن موم
اذا اتکات علی الانماط مرتفعا
بدیر مران عندی ام کلثوم

(ابن اثیر ج ۳، ص ۱۹۷۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳، ص ۱۵۔ تاریخ ملت ج ۳، ص ۳۲۔ شہید کربلا و یزید ص ۱۶۹)

یعنی حضرت معاویہ نے ایک کثیر التعداد لشکر جہاد کے لیے بلاد روم کی طرف روانہ کیا اور ان پر سفیان ابن عوف کو سالار مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جہاد کے لیے جائے پس یزید نے سستی کی پس اس کے باپ نے تعرض نہ کیا پس لوگوں کو ان کی جنگ میں بھوک اور شدید مرض پہنچا پس یزید نے یہ اشعار پڑھے "مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لشکروں پر فرقدونہ کے مقام میں بخار اور چیچک کی مصیبت آن پڑی ہے جب کہ

ہیں دیر مران میں اونچی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں اور میرے پاس ام کلثوم بھی ہے"۔

ام کلثوم یزید پلید علیہ ما یستحقہ کی بیوی کا نام ہے۔عساکر اسلامیہ بھوک اور وباء میں مبتلا ہیں اور ناصبیوں کے امام یزید پلید دیر مران میں انتہائی تعیش اور فرحت وانبساط میں گا رہا ہے کہ میری بلا سے کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے

معشوق ہو بغل میں جلسے ہوں مے کشی کے

اپنے لیے یہی ہیں سامان دل لگی کے

یزید پلید علیہ ما علیہ کے والد صاحب نے جب مسطورہ بالا اشعار سنے تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور دوبارہ لشکر میں شریک ہونے کا حکم دیا۔اندازہ ہے کہ یہاں ہی اس نے درخواست پیش کی کہ (تولینی الصائفہ) کہ مجھے صائفہ کی ولایت عنایت فرمائیں اس درخواست میں دو مطالبے ہیں۔ایک یہ کہ میں بحری لڑائی نہیں لڑوں گا اور دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ مجھے لڑائی کے لیے ماتحتی میں جانا گوارا نہیں ہے۔

تب ۵۲ھ میں گرمیوں کے موسم میں بری لشکر کا سپہ سالار بن کر قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔اور اسی لشکر میں حضرت ابوایوب الانصاریؓ بھی تھے۔وہیں انہوں نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے یزید ابن معاویہ نے قیصر روم سے مصالحت کی اور اسلامی لشکر نے مراجعت کی۔

تحقیق مزید علی حدیث قسطنطنیہ ویزید

اب تک جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ حال تھا ان لشکروں کا جنہوں نے حضرت معاویہ کے دور خلافت میں قسطنطنیہ پر حملے کیے تھے ان میں سب سے پہلے حملہ ۴۸ھ میں سفیان ابن عوف کی مارت میں ہوا اور سب سے آخری حملہ قسطنطنیہ پر یزید ابن معاویہ کی امارت میں۔مگر قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ ۴۸ھ میں نہیں ہوا تھا بل کہ از روئے تحقیق اس سے بہت پہلے

۳۲ھ میں ہو چکا تھا اور اس لشکر کے امیر خود حضرت معاویہ تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وفیہا (۳۲ھ) غزا معاویہ بلاد الروم حتی بلغ المضیق مضیق القسطنطنیۃ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۵۹)

اور ۳۲ھ میں معاویہ نے بلاد روم پر چڑھائی کی یہاں تک کہ خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔

حافظ صاحب ہی ایک دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں:

قالوا و کان غزاۃ المضیق یعنی مضیق القسطنطنیہ فی سنۃ ثنتین و ثلاثین فی ایامہ فکان ھو الامیر علی الناس عامۃ (البدایہ و النہایہ۔ ج ۸، ص ۱۲۶)

کہتے ہیں کہ خلیج قسطنطنیہ کی جنگ ۳۲ھ میں ہوئی حضرت معاویہ کے زمانہ امارت میں۔ اور وہ خود اس سال لوگوں پر امیر تھے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

وفیہا (۳۲ھ) کانت وقعۃ المضیق بالقرب من القسطنطنیۃ و امیرھا معاویہ (تاریخ اسلام للذہبی ص)

کہ ۳۲ھ میں قسطنطنیہ کے قریب خلیج قسطنطنیہ میں جنگ واقع ہوئی اور سالار جیش معاویہ تھے۔

السید احمد زینی دحلان لکھتے ہیں

وفی اثنتین وثلاثین غزا معاویہ ابن ابی سفیان مضیق القسطنطنیۃ (الفتوحات الاسلامیہ ص ۱۵۷)

یعنی ۳۲ھ میں معایہ بن سفیان نے خلیج قسطنطنیہ میں جنگ کی

برتقدیر صحت مقدمتین بھی تقریب تام نہیں

گذشتہ سطور میں قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یزید کے وجوب جنت ومغفرت کی دلیل جن دو مقدموں پر موقوف تھی وہ ھباءً منثورا ہو چکے ہیں

یزید کی اول جیش میں شرکت بھی باطل ہو چکی ہے اور اول جیش کا مغفور لھم ہونا بھی فرمودہ رسول ﷺ سے ثابت نہ ہو سکا۔ مگر ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر بالفرض یہ دونوں مقدمے صحیح اور درست بھی تسلیم کر لیے جائیں تب بھی ان سے یزید کے جنتی ہونے کا استدلال نامکمل رہتا ہے یزید پلید علیہ ما یستحقہ کا مبشر بالجنۃ والمغفرۃ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ حدیث قسطنطنیہ کے مطالب میں تین احتمال ہیں (واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے

(۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ اول جیش سے مراد جیش فاتح ہو کہ قسطنطنیہ کا فاتح پہلا لشکر مغفور ہے مطلق بول کر مقید کا ارادہ کرنا قرائن کی موجودگی میں جائز ہے اور اس کے بکثرت نظائر کتاب وسنت میں پائے جاتے ہیں۔ اصل میں آں حضور ﷺ نے فاتحین قسطنطنیہ کے لیے نعم الجیش و نعم الامیر کے کلمات مدحیہ فرمائے تھے۔ حاکم نے روایت کیا کہ آں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

لتفتحن القسطنطنیة ونعم الامیر امیرها ونعم الجیش ذالك الجیش
(مستدرک حاکم مع التلخیص)

ضرور ہے کہ قسطنطنیہ میری امت کے ہاتھوں فتح کیا جائے گا۔ واہ واہ اس کے لیے جو لشکر کا امیر ہوگا اور واہ واہ جیش وہ جیش ہوگا جن کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہوگا۔

یہ روایت صحیح ہے۔ اس لیے مسلمانوں میں جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی امنگیں انگڑائیاں لیتی رہیں۔ چناں چہ مسلمہ ابن عبدالملک نے یہ روایت سن کر قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا

لیکن یہ سعادت سلطان محمد الفاتح کے مقدر میں تھی۔اس لیے اس خوش نصیب کو الفاتح کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ بحوالہ مسند امام احمد، مستدرک، مصنف ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم لوگ بلاشبہ قسطنطنیہ کو فتح کرو گے اور وہ مسلمان حاکم کتنا اچھا حاکم ہوگا اور فتح کرنے والی فوج کتنی اچھی فوج ہوگی مسلمان خلفاء وسلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کے لیے قسمت آزمائی کی مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد الفاتح کی قسمت میں آچکی تھی۔(سیرت النبی حصہ سوم، ص ۶۹۸)

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں:

محمد فاتح سلطان نے قسطنطنیہ کو ۸۵۵ھ میں فتح کیا یعنی کتاب مند سے چھ صدیوں اور ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر ونعم الجیش کا نظارہ دیکھا (رحمۃ للعالمین ج ۳، ص ۱۷۱)

قسطنطنیہ کا پہلا فاتح سلطان محمد فاتح ہے مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ایک بار پھر عیسائیوں کے قبضے میں چلا جائے گا اور قرب قیامت میں بوقت ظہور دجال دوبارہ فتح کیا جائے گا (صحیح مسلم ج ۳، ص ۱۷۱)

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ

ایجاب اور غفران میں فرق ہے۔روایت میں پہلے لشکر کے متعلق لفظ اوجبوا اور دوسرے لشکر کے متعلق لفظ مغفور لھم ہے دونوں کا تقابل ظاہر کرتا ہے کہ دونوں کے معانی میں فرق ہو یعنی اگر روایت صحیح ہو تو پہلا لشکر یقیناً جنتی ہے مگر دوسرا لشکر مغفور لھم ہے ان کے پہلے گناہ معاف ہیں مگر ان کے وجوب جنت اور آئندہ گناہوں کی معافی کی ضمانت نہیں۔ایجاب اور غفران کی تفریق پر ذخیرہ احادیث میں بکثرت شواہد موجود ہیں۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے

کہ اول جیش کا عموم اگر چہ یزید اس میں شامل ہے مگر تخصیص کے دلائل نے اسے خارج کر دیا ہے پس اول جیش عام مخصوص عنہ البعض ہو گیا ہے۔ مثلاً

(۱) هلاک امتی علی ایدی اغیلمة من القریش (صحیح بخاری)

میری امت کی ہلاکت قریش کے نوخیز لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی۔

(۲) من اخاف اهل المدینة ظلما اخافه الله و علیه لعنة الله

جس نے اہل مدینہ کو ظلماً ڈرایا اسے اللہ خوف زدہ کرے اور اس پر اللہ کی لعنت

(۳) خلف بعد الستین خلف اضاعوا الصلوات واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا

ساٹھ ہجری کے بعد ناخلف جانشین جو نمازیں ضائع کر دیں گے اور شہوات کی اتباع کریں گے اور عن قریب ملیں گے گمراہی کو

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں استخلاف یزید مصنفہ مولانا سید لعل شاہ بخاریؒ)

محدثین کرام کی آرا:

سب سے پہلے جس شخص نے حدیث قسطنطنیہ سے منقبت یزید پلید علیہ ما یستحقہ کا استخراج کیا وہ محدث المہلب ہے محدثین نے اس استدلال اور استخراج کو مردود قرار دیا چناں چہ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

هذا جآء علی طریق الحمیة لبنی امیة (قسطلانی ج ۵، ص ۱۰۴)

یہ استدلال بنی امیہ کی بے جا حمایت کا آئینہ دار ہے

اور محدثین نے المہلب کو ملامت کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب شاہ ولی اللہؒ المحدث دہلوی نے تحریر کیا ہے:

قوله (مغفور لهم) تمسك بعض الناس بهذا الحدیث فی نجاة یزید لانه کان من جملة هذا الجیش بل کان راسهم ورئیسهم کما یشهد به

التواريخ والصحيح انه لا يثبت بهذا الحديث الا كونه مغفور اله ما تقدم من ذنبه على هذا الغزوة لان الجهاد من الكفارات وشان الكفارة ازالة آثار الذنوب السابقة نعم لو كان مع هذا انه مغفور لهم الى يوم القيمة يدل على نجاته وليس فليس بل مفوض الى الله تعالى فيما ارتكبه من القبائح بعد هذا الغزوة من قتل الحسين عليه السلام و تخريب المدينة والاصرار على شرب الخمر ان شاء عفا عنه وان شاء عذبه كما هو مطرد فى سائر العصاة على ان الأحاديث الواردة فى شان من استخف بالعترة والملحد فى الحرم والمبدل بالسنة تبقى مخصصات لهذا العموم لو فرض شموله (شرح تراجم ابواب بخاری ص 96)

مغفور لہم قول سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیوں کہ وہ من جملہ اس جیش کے تھا بل کہ وہ ان کا پیش رو اور سالار تھا جیسا کہ تواریخ گواہی دیتی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس روایت سے نہیں ثابت ہوتا مگر یہ کہ اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں جو اس نے غزوہ سے پہلے کیے ہیں کیوں کہ جہاد کفارات سے ہے اور کفارات کی شان یہ ہے کہ پہلے گناہوں کے آثار کو مٹاتا ہے ہاں اگر مغفور لھم کے ساتھ الی یوم القیامۃ کا اضافہ ہوتا تو یزید کی نجات پر دلالت کرتا اور جب ایسا نہیں ہے تو نجات کی دلیل بھی نہیں۔ بل کہ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ان قبائح کا ارتکاب جو اس نے جنگ کے بعد کیے قتل حسین علیہ السلام اور مدینہ طیبہ کی بربادی اور شرب خمر پر اصرار۔ اگر اللہ چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے جیسا کہ تمام عاصیوں کے بارہ میں ضابطہ ہے علاوہ ازیں وہ حدیثیں جو اس شخص کی شان میں وارد ہوئی ہیں جس نے عترۃ طاہرہ کا استخفاف کیا اور حرم میں الحاد کیا اور سنت کو تبدیل کیا وہ روایتیں اس عموم کے لیے مخصص ہیں اگر بالفرض اسے اول جیش میں شامل مانا جائے۔

بے راہ روی کے نتائج

غور کیا آپ نے؟ محدثین کرام نے کس طرح مہلب کی تردید کی اور کس طرح یزید پلید کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کی توضیح فرمائی مگر مہلب اور اس کے متبعین نے اپنی کج روی کی بنا پر خواہ مخواہ روایت کو کھینچ تان کر یزید پلید پر راست کرنے کی کوشش کی۔ اس بے راہ روی کا نتیجہ یہ نکلا کہ منکرین حدیث کے لیے انکار حدیث کا ایک اور دروازہ کھل گیا۔

چناں چہ غلام احمد پرویز قرآنی فیصلہ ص ۱۵۷ پر لکھتے ہیں

اگر تاریخ کا اس سے زیادہ دلچسپ واقعہ سننا ہو تو وہ بھی سن لیجیے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا جائے گا اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (صحیح بخاری ص ۴۱۰) اور تاریخ شاہد ہے کہ جس پہلے لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس کے ایک دستہ کا سپہ سالار یزید ابن معاویہ تھا۔ فرماتے ہیں واقعہ کربلا بخاری شریف کی بشارت جنت اور قسطنطنیہ پر لشکر کشی سے تاریخی بیانات میں آپ تطبیق کی کون سی صورت پیدا کریں گے؟ اگر اس کی کوئی صورت پیدا بھی کرلیں تو ان لوگوں سے پوچھیے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں جو ایک طرف بخاری شریف کو دین تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف یزید پر لعنت بھیجنے کو جزو عقیدہ قرار دیتے ہیں لیکن مسلمانوں نے اتنا سوچنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی کہ میں کیا کیا جانتا ہوں اور کیا کچھ کرتا ہوں۔ (قرآنی فیصلے)

راقم السطور (مولانا بخاریؒ) نے جب پہلی بار قرآنی فیصلے کی مندرجہ بالا عبارت پڑھی پھر حدیث قسطنطنیہ دیکھی، حاشیہ بخاری کا مطالعہ کیا تو حضرت مولانا احمد علی المحدث سہارن پوریؒ کی تحریر کی روشنی میں اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل نوٹ لکھا:

التطبیق بین التفریق بین الایجاب والغفران فان الایجاب

مقطوع والغفران مشروط اے معلق بشرائط الغفران او متعلق بما تقدم من العصیان

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ایجاب اور غفران کے معانی میں فرق ہے، ایجاب بلاشبہ یقینی ہے اور غفران شرائط مغفرت کے ساتھ مشروط اور معلق ہے یا پہلے گناہوں سے متعلق ہے

پھر محشی موصوف علیہ الرحمۃ کے ایک حاشیہ سے راہ نمائی حاصل کی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ

وقد حدث عنہا انس ھذا الحدیث باتم من ھذا السیاق (حاشیہ صحیح بخاری ص ۴۰۹)

کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے حضرت انسؓ نے یہی حدیث علی وجہ الاتم و الاکمل بیان کی ہے۔ پس میں نے حضرت انسؓ کی روایت دیکھی، اول ہی نگاہ میں معلوم کیا، حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں اور یہی روایت اصل اور محکم ہے اور عمیر بن الاسود کی روایت کے الفاظ اس کے طبع زاد ہیں۔ پس حضرت انسؓ کی روایت کو چھوڑ کر عمیر کی روایت کے درپے ہونا فاما الذین فی قلوبھم زیغ کے زمرہ میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔

پھر بہت عرصہ بعد جب آں جہانی محمود احمد عباسی رئیس النواصب کی کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو حدیث قسطنطنیہ کے سلسلے میں جو انہوں نے مواد جمع کیا ہے اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ کتب تواریخ میں اتنا تضاد کیوں ہے اور پھر آں جہانی عباسی صاحب بھی ایک تاریخ کے متعین کرنے میں کیوں کرنا کام رہے۔ اس احساس کے تحت مجھے براہ راست کتب بینی کی امنگ پیدا ہوئی اور بڑی کاوش اور جد و جہد کے بعد جس نتیجے پر پہنچا وہ آپ کے

سامنے ہے کہ یزید ابن معاویہ کو اول جیش میں شرکت نصیب نہیں ہوئی بل کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ ۳۲ھ میں حضرت معاویہ کے زمانہ امارت میں انہی کی سرکردگی میں ہوا ہے اس وقت یزید پلید علیہ ما یستحقہ شش سالہ بچہ تھا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ

(۱) یزید ابن معاویہ کی ذات پر اس کا نام لے کر جنتی ہونے کا حکم لگانا شعائر اہل سنت کے خلاف ہے

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید ابن معاویہ کا نام لے کر اسے جنتی نہیں فرمایا

(۳) اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ نہیں

(۴) یزید پلید علیہ ما یستحقہ اول جیش میں شامل نہیں۔

(۵) یزید پلید نے مدینۃ قیصر پر جہاد کی ابتداء نہیں کی۔

(۶) یزید پلید آخر جیش فی عہد معاویہ کا رئیس تھا اس نے غزوہ قسطنطنیہ کا خاتمہ کیا ہے

(۷) یزید پلید نے قیصر کے ساتھ مصالحت کر کے قسطنطنیہ کے چار سالہ محاصرے کو اٹھایا ہے۔

(۸) بر تقدیر صحت روایت بھی احتمال ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اول جیش فاتح ہو۔ اس پر دوسری روایت بھی شاہد ہے۔

(۹) ایجاب وغفران میں فرق ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ المحدث دہلویؒ کا حوالہ نقل کیا جا چکا ہے

(۱۰) اول جیش عام مخصوص عنہ البعض ہو اور اول جیش یغزون مدینۃ قیصر سے زیادہ محکم روایت من اخاف اھل المدینۃ ظلما اخافہ اللہ علیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین اس کی مخصص ہے۔ پس اس روایت کے پیش نظر یزید پلید ملعون ہے مغفور نہیں۔ (سید لعل شاہ بخاری)

تعارف محدث جلیل

مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی رحمہ اللہ

محمد عبد الرشید نعمانی بن محمد عبد الرحیم خاطر ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ بمطابق 29 ستمبر 1915ء کو جے پور راجھستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عم بزرگوار مولانا حافظ عبد الکریم حافظؒ سے حاصل کی۔ اور بقایا درس نظامی کی مروجہ کتب مولانا قدیر بخش بدایونیؒ سے پڑھیں۔ 1933ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور 1934ء میں منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کرلیا، اور بریلی میں مدرسہ اشاعت العلوم میں استاد مقرر ہو گئے۔ یہاں شیخ الحدیث علامہ مولانا محمد یاسین بریلویؒ کے صحبت میسر آئی انہوں نے حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ یہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے اور انہیں مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ سے بھی حدیث کی اجازت تھی۔ مولانا خیر محمد جالندھری ان ہی کے شاگرد تھے۔

کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ دار العلوم ندوۃ العلماء پہنچے اور شیخ الحدیث مولانا شیخ حیدر حسن خان ٹونکیؒ سے حدیث پڑھی۔ حضرت شیخ کی خدمت میں دو سال رہ کر پورے ضبط واتقان کے ساتھ حدیث پڑھی۔ صحیح بخاری، اور جامع ترمذی دونوں کتابیں قراءۃً وسماعاً اول سے اخر تک پڑھیں 1935ء میں فارغ ہو کر جے پور تشریف لائے اور 1938ء میں حضرت مولانا محمود حسن خان ٹونکی برادر معظم حضرت شیخ حیدر حسن خان ٹونکی کی خدمت میں حیدرآباد دکن

پہنچے۔ وہاں دارالترجمہ میں معجم المصنفین کی تدوین وتالیف کا کام جاری تھا پورے چار سال علامہ کی نگرانی میں اس کتاب کی تدوین میں حصہ لیا یہ بہت بڑا پروجیکٹ تھا۔ 60 (ساٹھ) جلدوں میں 20 ہزار صفحات پر پھیلا ہوا چالیس ہزار رجال اسلام کے تراجم پر حاوی تھا، اس میں علامہ کے شریک کاران کے شاگرد مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ، مولانا نعمانیؒ اوران کے بھائی مولانا محمد عبدالعلیم ندوی تھے۔ 1942ء میں مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب ندوۃ المصنفین دہلی کے رفیق (فیلو) ہو گئے اور لغات القرآن جیسی معرکتہ آرا کتاب تصنیف کی، 1947ء تک اس ادارہ سے وابستہ رہے۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ اس زمانہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے حیدرآباد سندھ کے قریب ٹنڈو الہ یار میں دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی تو اکابر علماء اکٹھے ہو گئے۔ 1955ء میں جب مولانا یوسف بنوری صاحبؒ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ قائم کیا تو حضرت کی درخواست پر یہاں تشریف لائے۔ ستمبر 1963ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں تشریف لائے اور تیرہ (13) سال حدیث واصول حدیث کی تدریس میں مشغول رہے۔ 1976ء میں سبک دوش ہو کر واپس کراچی تشریف لائے تو پھر نیوٹاؤن جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں درس حدیث پر مامور ہوئے اس کے ساتھ شعبہ تخصص فی الحدیث النبوی، مجلس دعوت تحقیق اسلامی میں رہ کر حدیث، فقہ، اصول حدیث، اسماء الرجال، تاریخ، تراجم، اور دیگر اسلامی علوم پر اپنی نگرانی میں گراں قدر علمی وتحقیقی کام کرایا۔

مولانا نعمانی کو تصوف وسلوک سے بھی دلچسپی تھی، سب سے پہلے اپنے استاد شیخ حیدر حسن خان ٹونکی سے بیعت ہوئے وہ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے۔ ازاں بعد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحب سے تجدید بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے حضرت رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

کاندھلوی ؒ سے تعلق ہوگیا۔ مولانا نے فرمان نبوی ﷺ انی تارککم فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی (الحدیث) کے مطابق اپنی ساری زندگی خدمت قرآن وحدیث محبت اہل بیت نبوی ودفاع اہل بیت نبوی میں گزاردی۔

مولانا نے نصف صد سے زیادہ دینی وعلمی خدمات سرانجام دیں اورقال اللہ قال الرسول کہتے ہوئے 86 سال کی عمر میں 12 اگست 1999ء کو مختصر علالت کے بعد اس دارفانی سے رخصت ہوکر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا نعمانی نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں ساری زندگی گزاری اور بڑی معرکہ آرا کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) لغات القرآن۔ حروف تہجی کے اعتبار سے قرآنی الفاظ کے معانی پر مشتمل اپنے سیاق وسباق کے حوالہ سے اردو زبان میں بے مثل کتاب ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث۔ یہ کتاب عربی میں ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجہ کے نام سے ہے یہ کتاب مولانا نے ایک مہینہ سے بھی کم عرصہ میں لکھی ہے

(۳) التعلیقات علی الدراسات۔ (عربی) علامہ مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کی مشہور کتاب کا حاشیہ اور مقدمہ ہے (راقم مہر حسین کے پاس مولانا کے ذاتی استعمال والے نسخہ کی فوٹو کاپی موجود ہے)

(۴) التعلیقات القویمۃ علی مقدمۃ الکتاب التعلیم (عربی)

(۵) مکانۃ الامام ابی حنیفہ فی الحدیث (عربی) یہ کتاب پاکستان کے علاوہ بیروت اور شام سے بھی طبع ہوئی ہے

(۶) تبصرۃ بر المدخل فی اصول الحدیث للحاکم نیشاپوری (عربی)

فتنہ محمود احمد عباسی اور اس کے اثرات سے پیدا شدہ غیر معتبر لٹریچر کے سد باب کے لیے "ناصبیت تحقیق کے بھیس میں، ناصبی فتنہ، اکابر صحابہ پر بہتان، شہداے کربلا پر افتراء، یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں اور حضرت علیؓ اور قصاص عثمانؓ قابل ذکر کتابیں ہیں

زیر نظر کتاب تحقیق حدیث قسطنطنیہ بھی مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی کی ایک شاہ کار کتاب "یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں" سے تلخیص ہے جس کی اجازت راقم نا کارہ نے حضرتؒ سے لی تھی

(مہر حسین بخاری کامرہ کلاں)

حدیث قسطنطنیہ و یزید

ازقلم محدث جلیل مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

ناصبی یزید کے بارے میں جوشبہات پیش کرتے ہیں ان میں پہلا شبہ حدیث قسطنطنیہ ہے جس کی بخاری شریف میں حسب ذیل روایتیں ہیں

(الف) اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

(ب) قال محمود بن الربیع فحدثتها قوما فیهم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الغزوة التی توفی فیها ویزید بن معاویه علیهم بارض روم

محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن میں آں حضرت ﷺ کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی اور یزید بن معاویہ روم میں اس وقت فوج کا امیر تھا۔ غرض یزید جس لشکر کا کمانڈر تھا اس لشکر کے لیے مغفرت کی بشارت ہے

اس شبہ کا جواب یہ ہے

اگر اس مندرجہ ذیل حدیث پر غور کرلیا جائے تو سرے سے یہ اشکال پیدا ہی

نہیں ہوتا کیوں کہ اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

قال رسول اللہ ﷺ فان اللہ قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذالک وجہ اللہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کر دیا ہے کہ جس نے اللہ تعالی کی رضا جوئی کے لیے لا الہ الا اللہ کہا

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ صدق دل سے "لا الہ الا اللہ" کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو سو خون معاف ہو جائیں، اب جو چاہے کرتا پھرے۔ تعجب ہے کہ ناصبی یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں پیش نہیں کرتے حالاں کہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف مغفور لہم کے الفاظ ہیں اور حدیث میں صراحتا دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو تاویل یا تشریح حدیث مذکور (ب) کی ہوگی وہی تشریح حدیث مذکور (الف) کی ہونی چاہیے۔ احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے، بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی بشارت ہے اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے اور اب ظلم کی کھلی چھٹی ہے جو چاہے کرے جنت اس کے لیے واجب ہے خوب سمجھ لیجیے کہ کسی شخص کا نام لیکر اسے جنتی کہنا اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر حضور ﷺ نے ان کو جنتی فرمایا ہے لیکن یزید کا نام لے کر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں داخل ہونا اور چیز ہے اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نام زد ہونا اور بات ہے بے شک اس حدیث میں غازیان مدینۃ قیصر کے لیے مغفرت کی بشارت ہے جیسا کہ غازیان ہند کے لیے لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک

جنتی ہونا لازم نہیں آتا جب تک اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ ٹھیک ہے یزید غزوہ قسطنطنیہ میں شریک ہوا لیکن اس شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت کے موجب تھے۔ البتہ یزید نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی، یہی مرجئہ کا مذہب ہے جو ایک گمراہ فرقہ ہے، چناں چہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں:

(۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابوایوب انصاریؓ شامل تھے۔ اور جب حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو یزید ان کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا اور ان کو بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا ہے کہ

من مات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة

جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا

قد كنت كتمت عنكم شيئا سمعته من رسول الله ﷺ سمعته يقول: لولا انكم تذنبون لخلق الله قوما يذنبون فيغفر لهم

میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے، تو حق تعالی ایسی قوم پیدا کرتا کہ جو گناہ کرتی اور پھر حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔

وہاں ان دونوں حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ان هذا الحديث والذي قبله هو الذي حمل يزيد بن معاوية على طرف من الارجاء ورکب بسببه افعالا کثيرة انکرت عليه کما سنذکره في ترجمته والله تعالىٰ اعلم۔ (ج ۸، ص ۵۹)

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گذری اس نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کی طرف ڈال دیا اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بنا پر اس پر نکیر کی گئی۔ جیسا کہ ہم اس کے تذکرہ میں عن قریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اگر ناصبی بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرجئہ کے مذہب میں داخل ہیں تو ان کو دوسری حدیث ہی یزید کی فضیلت کے لیے کافی ہے کہ چوں کہ وہ کلمہ گو تھا۔ اس لیے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہوسکتی۔ سب گناہ معاف ہیں شیعان بنی امیہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں اور گناہ معاف۔ اس کی اطاعت، طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے۔

پھر حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لیے تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو بھی جہاد کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو اور اپنے ذوق وشوق سے ہو یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آ کر ناخوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت پیش آئی کہ وہ اس جہاد میں شریک ہونے کے لیے بالکل تیار نہ تھا اور جہاں تک بن سکا اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی بل کہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے وباء اور قحط میں مبتلا تھے، تو یہ بڑے ٹھاٹھ سے اپنے عشرت

کدے میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت معاویہ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعے کی تفصیل تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۲۰ اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چناں چہ مورخ حافظ ابن الاثیر ۴۹ھ کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

فی هذه السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویه جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاة وجعل علیهم سفیان ابن عوف وامر ابنه یزید بالغزاة معهم فتثاقل واعتل فامسك عنه ابوه فاصاب الناس فی غزاتهم جوع و مرض شدید فانشد یزید یقول

اور اسی سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہ نے جہاد کے لیے ایک بڑا بھاری لشکر بلاد روم کی طرف روانہ کیا اور اس لشکر کا امیر سفیان ابن عوف کو مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو بھی اس غزوۃ میں شرکت کا حکم دیا مگر یزید نے تعمیل حکم میں سستی کی اور معذرت کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے بھی اس کو رہنے دیا وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور شدید مرض کا شکار ہوئے تو یزید نے یہ شعر کہے

ما ان ابالی بما لاقت جموعهم
بالغزقدونة من حمی و من موم

مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ (۱) (روم میں مسلمانوں کا فوجی کیمپ) میں مسلم مجاہدین کے دستہائے فوج کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے۔

اذا اتکات علی الانماط مرتفعا
بدیر مران عندی ام کلثوم

۱: قسطنطنیہ کے قریب [illegible] مقام کا نام ہے

جب کہ میں دیر مران میں گدوں پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں اور میرے سامنے ام کلثوم ہے

وام كلثوم امراته هى ابنة عبدالله بن عامر فبلغ معاوية شعره فاقسم عليه ليلحقن بسفيان فى ارض روم ليصيبه ما اصاب الناس فسار ومعه جمع كثيرا ضافهم اليه ابوه وكان فى هذا الجيش ابن عباس رضی اللہ عنہ وابن عمر وابن عمرو ابن الزبير وابو ايوب الانصارى وغيرهم و عبد العزيز بن زرارة الكلابى فاوغلوا ئى بلاد الروم حتى بلغوا القسطنطنية (کامل ابن الاثیر ج ۳، ص ۱۸۱، ۱۸۲)

ام کلثوم یزید کی بیوی عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہ کو جب اس کے ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو قسم دے کر بتاکید کہا کہ اسے روم میں سفیان کے پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس مصیبت میں گرفتار ہیں یہ بھی گرفتار ہو۔ اب جو یہ روانہ ہوا تو اس کے والد ماجد نے ایک انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اور اضافہ کر دیا اسی لشکر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ وغیرہ بھی تھے اور عبدالعزیز بن زراہ کلابی بھی۔ چناں چہ یہ لوگ بلاد روم میں گھستے ہی چلے گئے تا آں کہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کی حقیقت۔ واقعہ یہ ہے کہ یزید سیر وشکار شعروشاعری، غنا اور موسیقی کا متوالا تھا۔ وہ جہاد کے جھنجھٹ میں نہ اپنے والد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا اور نہ اپنے ایام خلافت میں۔ چناں چہ عہدہ خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے دیا وہ یہ تھا۔

وان معاوية كان يغزيكم فى البحر وانى لست حاملا احدا

من المسلمين فی البحر وان معاویۃ کان یشتیکم بارض الروم ولست مشتیا احدا بارض الروم وان معاویہ کان یخرج لکم العطاء اثلاثا وانا اجمعہ کلہ (البدایہ والنہایہ۔ج ۸،ص ۱۴۳)

بے شک معاویہ تم کو بحری جہاد کی مہم پر بھیجا کرتے تھے مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پر بھیجنے کا روادار نہیں اور بے شک معاویہ تم کو روم میں موسم سرما میں جہاد پر روانہ کیا کرتے تھے مگر میں کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر جہاد کرنے کے لیے نہیں بھیجوں گا اور بے شک معاویہ تمھیں تمہارا وظیفہ سال میں تین قسطوں میں دیا کرتے تھے میں تم کو اکٹھا یک بارگی دیا کروں گا۔

بس پھر کیا تھا یہ خوشخبری سن کر حاضرین دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ
وھم لا یفضلون علیہ احدا۔ وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یزید کی شرکت غزوہ قسطنطنیہ میں کس بنا پر تھی، تاہم تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم سے اس غزوہ میں شریک ہوا۔ تب بھی یہ بشارتِ مغفرت اس شرط کے ساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوئے ہوں کہ جن سے مغفرت کی بجائے الٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے کیوں کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ

العبرۃ بالخواتیم۔ یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لیے شاہ ولی اللہ المحدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تراجم ابواب بخاری میں جو کچھ لکھا ہے مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری کی تحقیق حدیث قسطنطنیہ میں درج ہے، دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر ۷۵۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس بارے میں جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے

وہ درج ذیل ہے

ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبي مجاب، الزائد في كتاب الله والمكذب بقدر الله تعالىٰ، والمتسلط بالجبروت فيعز بذالك من اذل الله ويذل من اعز الله، والمستحل لحرم الله، والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارك لسنتي (ت، ك عن عائشة ك عن ابن عمر، الفتح الكبير في ضم الزيادة الى الجامع الصغير) از یوسف نبہانی ج۲ص۱۵۵مطبوعہ مصر)

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور حق تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنے والا، (۳) جبر وزور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اسے اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنے والا (۴) حرم الٰہی کی حرمت کو پامال کرنے والا (۵) میری عترت کی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کو حلال کر دینے والا (۶) میری سنت کا تارک، اس حدیث کو امام ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے نیز حاکم نے اس کو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل کیا۔

اس حدیث کو مشکوۃ شریف میں بھی ''باب الایمان بالقدر'' کی فصل ثانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ

رواه البيهقي في المدخل ورزين في كتابه، اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے

یہ تو معلوم نہیں کہ یزید تقدیر کا بھی منکر تھا یا نہیں مگر باقی چاروں عیب اس میں موجود تھے

(۱) وہ دھونس دباؤ اور جبر وزور سے امت پر مسلط تھا اہل بیت نبوی، صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک معزز ترین خلائق ہیں انکی توہین وتذلیل کرنے میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمین پر چڑھائی کی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، جیسے عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، مجرم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک معزز و محترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الٰہی کی حرمت کا کوئی پاس لحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عترت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا

(۴) اور تارک سنت تو تھا ہی۔

بہر حال یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید اس بشارت میں شامل تھا جو غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے اب تک کہ گناہ معاف کر دیے گئے تھے۔ یہ غزوہ مورخین کے بیان کے مطابق ۴۹ھ یا بعض کی تصریح کے مطابق ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریبا 12۔14 سال تک زندہ رہا اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں اور جن جن قبائح کا ارتکاب کیا ہے ان میں اس کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دردانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی اور بربادی اور وہاں صحابہ کرام اور تابعین عظامؒ کا قتل عام اور پھر حرم بیت اللہ پر اس کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ، ان سب گناہوں کے کفارہ کی آخر کیا صورت ہو گی؟ غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے جو حرکات ناشائستہ سرزد ہوئی ہیں ان کا مختصر سا جائزہ امام ابن حزم ظاہری کے الفاظ میں پیش خدمت ہے ملاحظہ کیجئے۔

ويزيد امير المومنين وكان قبيح الاثار فى الاسلام قتل اهل المدينه وافاضل الناس وبقية الصحابة رضى الله عنهم يوم الحرة فى آخر دولته، وقتل الحسين رضى الله عنه واهل بيته فى اول دولته وحاصر ابن الزبير رضى الله عنه فى المسجد الحرام واستخف بحرمة الكعبة والاسلام فاماته الله فى تلك الايام وقد كان غزا فى ايام ابيه القسطنطنيه وحاصرها۔ (جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۲ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ)

"یزید امیر المومنین" یہ اسلام میں برے کرتوتوں کا کرنے والا رہا ہے اس نے اپنے اقتدار کے آخری دور میں حرہ کے دن اہل مدینہ کا قتل عام کیا ان کے بہترین افراد اور بقیہ صحابہ کرام (اللہ ان سے راضی ہو) قتل کیا اور اپنی سلطنت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کو قتل کیا اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا کعبہ شریف اور اسلام کی بے حرمتی کی۔ پھر حق تعالیٰ نے ان ہی دنوں اس کو مار ڈالا۔ اس نے اپنے باپ کے زمانے میں قسطنطنیہ پر جنگ بھی کی اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

اور اپنی دوسری تصنیف اسماء الخلفاء والولاة وذکر مددهم میں ارقام فرماتے ہیں

وبويع يزيد بن معاويه اذا مات ابوه، يكنى اباخالد وامتنع من بيعته الحسين بن على بن ابى طالب وعبدالله بن زبير بن العوام: فاما الحسين عليه السلام والرحمة فنهض الى الكوفة فقتل قبل دخولها وهو ثالثة مصائب الاسلام بعد امير المومنين عثمان اورابعها بعد عمر بن الخطاب رضى الله عنه وخرومه لان المسلمين استظيموا فى قتله ظلما علانية واما عبدالله بن الزبير فاستجار بمكة فبقى هنالك الى ان اغزى يزيد الجيوش الى

المدینہ حرم رسول اللہ ﷺ والی مکۃ حرم اللہ تعالیٰ۔ فقتل بقایا المهاجرین
والانصار یوم الحرۃ وهی اکبر مصائب الاسلام وخرومہ۔ لان افاضل
المسلمین وبقیۃ الصحابۃ وخیار المسلمین من جلۃ التابعین
قتلوا جهراً ظلما فی الحرب وصبراً وجالت الخیل فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وراثت وبالت فی الروضۃ بین القبر والمنبر ولم تصل جماعۃ فی
مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا کان فیہ احد حاشا سعید بن المسیب
فانہ لم یفارق المسجد ولولا شهادۃ عمرو بن عثمان بن عفان ومروان بن
الحکم عند مجرم بن عقبۃ المری بانہ مجنون لقتلہ واکرہ الناس علیٰ ان
یبایعوا یزید بن معاویہ علیٰ انهم عبید لہ ان شاء باع وان شاء اعتق وذکر لہ
بعضهم البیعۃ علی حکم القرآن وسنۃ رسول اللہ ﷺ فامر بقتلہ فضرب
عنقہ صبرا وهتک مسرف او مجرم الاسلام هتکا وانهب المدینۃ ثلاثا
واستخف باصحاب رسول اللہ ﷺ ومدت الایدی الیهم وانتهبت دورهم
وانتقل هؤلاء الیٰ مکۃ شرفها اللہ تعالیٰ فحوصرت ورمی بحجارۃ المنجنیق
تولیٰ ذالک الحصین بن نمیر السکونی فی جیوش اهل الشام۔ وذالک لان مجرم
بن عقبۃ المری مات بعد وقعۃ الحرۃ بثلاث لیال وولی مکانہ الحصین بن نمیر
واخذ اللہ تعالیٰ یزید اخذ عزیز مقتدر فمات بعد الحرۃ باقل من ثلاثۃ اشهر
وازید من شهرین وانصرفت الجیوش عن مکۃ ومات یزید فی نصف ربیع
الاول سنۃ اربع وستین ولہ نیف وثلاثون سنہ امہ میسون بنت بجدل
الکلبیۃ وکانت مدتہ ثلاثون سنین وثمانیۃ اشهر وایاما فقط۔ (اسماء الخلفاء
والولاۃ وذکر مدد هم، ص ۳۵۷، ص ۳۵۸، طبع مصر)

یزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت ابوخالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس سے بیعت نہ کی۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام والرحمۃ تو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہوئے اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری مصیبت اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور اسلام میں رخنہ اندازی ہے کیوں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے مسلمانوں پر علانیہ ظلم توڑا گیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ جا کر جوار الٰہی میں پناہ لی اور وہیں مقیم ہو گئے تا آں کہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول اللہ ﷺ اور مکہ معظمہ کی طرف جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے اپنی فوجیں لڑنے کے لیے بھیجیں۔ چناں چہ حرہ کی جنگ میں مہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں رخنہ اندازی میں شمار ہوتا ہے کیوں کہ افاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے دہاڑے ظلماً قتل کر دیے گئے اور گرفتار کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی لشکر کے گھوڑے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے اور ریاض الجنہ میں آپ ﷺ کی قبر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی۔ اور نہ بجز حضرت سعید بن المسیبؓ کے وہاں کوئی فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمرو بن عثمان بن عفان اور مروان بن الحکم (یزید کے سالار لشکر) مجرم (مسلم) بن عقبہ کے سامنے یہ شہادت نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے تو وہ ان کو بھی ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں، چاہے وہ ان کو بیچے، چاہے ان کو آزاد کرے

اور جب اس کے سامنے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرف یا مجرم (مسلم بن عقبة) نے اسلام کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر دست درازی کی گئی ان کے گھروں کو لوٹا گیا۔ (مدینہ طیبہ کو تباہ و تاراج کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی۔ وہاں جا کر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا اور بیت اللہ پر "منجنیق" سے سنگ باری کی گئی۔ یہ کام حصین بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے لشکروں نے انجام دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ حرہ کے تین دن بعد ہی موت نے آدبوچا تھا اور اب اس کی جگہ سالار لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھر پکڑا، جس طرح وہ غالب قدرت والا پکڑتا ہے۔ چناں چہ وہ بھی واقعہ حرہ کے بعد تین ماہ سے کم اور دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر مکہ معظمہ سے واپس چلے گئے۔ یزید کی موت ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی۔ اس کی ماں کا نام میسون بنت بجدل کلبیہ تھا۔ یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال آٹھ ماہ اور کچھ دن تھی۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

اول تو یزید غزوہ قسطنطنیہ میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا جو وہ اس بشارت کا مستحق ہوا اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارت مغفرت کا تعلق اس کے گناہوں سے ہوگا جو اب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس غزوہ قسطنطنیہ میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے

ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق
اس کے اگلے پچھلے گناہوں سے ہے اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر ہر فرد کے
تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد
ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عموم کی تخصیص کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی
آپ کی نظر سے گذری ہے اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کارناموں کی تفصیل بھی آپ
پڑھ چکے ہیں، اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو
اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بل کہ
جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں لیکن
اہل حق میں سے کوئی شخص بحالت صحت ہوش و حواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود
اس کے جنتی ہونے کی کیسی شہادت دے سکتا ہے

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہوسکتا ہے۔

ہاں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں
جہاد ہوسکتا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں

وفیہ مشروعیۃ الجہاد مع کل امام لتضمنہ الثناء علی من غزا "مدینۃ قیصر" وکان امیر تلک الغزوۃ یزید بن معاویۃ ویزید یزید (فتح الباری ، ج ۱۱، ص ۶۵)

اس سے ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران کی معیت میں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ حدیث
غازیان شہر قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالاں کہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا اور یزید
تو یزید ہی تھا (کہ اس کی نابکاری و نالائقی معلوم خاص و عام ہے)

اور امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں

و قد کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و سلم یغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق و غزا ابوایوب الانصاری مع یزید اللعین (احکام القرآن، ج ۳، ص ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء کے ساتھ بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے، چناں چہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کی معیت میں بھی جہاد فرمایا ہے۔

مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ نہیں بل کہ حمص ہے

اور یاد رہے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں ہے جب کہ ہم اس حدیث میں جو مدینہ قیصر کے الفاظ آتے ہیں اور اس سے قسطنطنیہ ہی مراد لیں ورنہ اگر مدینہ قیصر سے وہ شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت تھا کہ جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کیوں کہ اس صورت میں مدینۃ قیصر سے مراد قسطنطنیہ نہیں بل کہ حمص ہے۔(۱) چناں چہ شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں

وبعضے تجویز کنند کہ مراد بمدینہ قیصر مدینہ باشد کہ قیصر را در آں جا بود ، روزے کہ فرمود ایں حدیث را آں حضرت ۔ و آں حمص است کہ در آں وقت دار مملکت او بود ، واللہ اعلم (شرح

۱۔ حضرت اقدس سید نفیس الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ بیان فرماتے ہیں

کہ حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس تشریف لائے ہوئے تھے ان دنوں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی (محدث اہل حدیث) علیل تھے، مولانا نعمانی نے فرمایا کہ ان کی عیادت کو چلتے ہیں ان کی خدمت میں پہنچے دوران گفتگو حدیث قسطنطنیہ پر بحث ہونے لگی مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب نے مولانا عطاء اللہ حنیف سے فرمایا کہ یہ لفظ قسطنطنیہ حدیث میں ابن تیمیہ نے داخل کیا ہے ان سے پہلے کسی نے اس لفظ کو استعمال ہی نہیں کیا اگر کیا ہے تو ثابت کریں۔ میری طرف سے چیلنج ہے۔ یہ سن کر عطاء اللہ حنیف صاحب کی زبان گنگ ہو گئی اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ مولانا نعمانی ؒ نے فرمایا کہ مدینہ قیصر حمص کو کہتے ہیں نہ کہ قسطنطنیہ کو۔
(جامعہ اشرفیہ لاہور کے ماہ نامہ الحسن کا سید نفیس ؒ نمبر ص 739، راوی مفتی شریف اللہ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ سکردو)

فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام مطبوعہ بر حاشیہ تیسیر القاری، ج 4، ص 669، مطبوعہ علوی لکھنوء 1302ھ)

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ شہر قیصر سے مراد وہی شہر ہے کہ جہاں قیصر اس روز تھا کہ جس روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر حمص تھا جو اس وقت قیصر کا دارالسلطنت تھا۔ واللہ اعلم

اب پہلے ناصبی پارٹی یہ ثابت کرے کہ اس وقت قیصر کا دارالملک حمص نہیں بل کہ قسطنطنیہ ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی مدینہ قیصر کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اس سے مراد شہر قسطنطنیہ ہی لیا جاتا تھا، پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے لغت، عرف، اشعار عرب اور آثار حدیث سے سند لانا ضروری ہے، محض دعویٰ سے کام نہیں چلے گا۔

مدینہ قیصر سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں مدینہ قیصر کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں "مدینہ قیصر" یعنی شہر قیصر کی تعین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کون سا شہر مراد ہے۔ اس لیے اس کی تعین میں تین شہروں کا نام لیا جاسکتا ہے

(ا) مدینہ قیصر سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا، جب کہ زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے یعنی "حمص" جو شام کا مشہور شہر ہے اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے 17 ھجری میں عہد فاروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا، چناں چہ ابھی گذر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں مدینہ قیصر سے حمص ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر "روما" جو قدیم زمانہ سے قیاصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آرہا تھا۔ روما پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے بل کہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے

(۴) شہر قسطنطنیہ جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث قسطنطنیہ "مدینہ قیصر" کا مصداق سلطان محمد فاتح

اب اگر مدینہ قیصر کو قسطنطنیہ ہی قرار دیا جائے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق یزید پلید نہیں بل کہ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی فوج ظفر موج ہے۔ یہی وہ مجاہدین اسلام ہیں جن کی شمشیر خارا شگاف نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا اور پھر وہ "بغداد" کے بعد صدیوں تک مسلمانوں کا دارالخلافہ رہا تا آں کہ مصطفی کمال نے اپنی حماقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ قیام عمل آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے، اس میں عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے، اس لیے اس حدیث کے صحیح مصداق اگر مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ ہی مراد لیا جائے تو فاتحین قسطنطنیہ ہی ہو سکتے ہیں، بھلا یزید پلید اس بشارت کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ وہ تو قریش کے ان شریز النفس لونڈوں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہونی ہے۔

یزید قسطنطنیہ کی پہلی مہم میں شریک نہ تھا

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیر کمان جو لشکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا، بل کہ اس سے بہت پہلے اسلامی لشکر قسطنطنیہ پر جا کر جہاد کر چکے تھے۔ یزید کس سنہ میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بارے میں اگر چہ مورخین کے بیانات مختلف ہیں لیکن ۴۹ھ سنہ سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان

نہیں کرتا۔ ناصبیوں کے شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافت معاویہ ویزید" میں یہی بیان ہے لکھتے ہیں

۴۹ھ میں حضرت معاویہ نے جہاد قسطنطنیہ کے لیے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا، بری فوج میں شامی عرب تھے خصوصاً بنوکلب جو امیر یزید کا ننھیالی قبیلہ تھا ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آں حضرت ﷺ نے بشارت مغفرت دی تھی (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۳ طبع چہارم)

اگرچہ خود بدولت نے بھی اسی کتاب میں ص ۷۹ پر امیر شکیب ارسلان کی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات سے بحوالہ طبقات ابن سعد اس غزوہ کی تاریخ ۵۲ ہجری ہی نقل کی ہے بہر حال ۴۹ھ سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یزید کی شرکت ثابت نہیں اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۴۹ھ سے بہت پہلے غازیان اسلامی قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چناں چہ سنن ابو داؤد میں منقول ہے

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا ابن وهب عن حيوة بن شريح وابن لهيعة عن يزيد بن ابی حبيب عن اسلم ابی عمران قال غزونا من المدينة نريد القسطنطنية وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد والروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة فحمل رجل على العدو فقال الناس مه مه لا اله الا الله يلقى بيديه الى التهلكة فقال ابو ايوب انما انزلت هذه الاية فينا معاشر الانصار لما نصر الله نبيه صلى الله عليه وسلم واظهر الاسلام قلنا هلم نقيم فی اموالنا ونصلحها فانزل الله عزوجل وانفقوا

فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ فالالقاء بایدینا الی التھلکۃ ان نقیم فی اموالنا ونصلحھا وندع الجھاد قال ابو عمر فلم یزل ابو ایوب یجاھد فی سبیل اللہ عزوجل حتی دفن بالقسطنطنیۃ (باب فی قولہ عزوجل ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ)

اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے لیے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت امیر جیش حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید رضی اللہ عنھما تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے پشت لگائے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی اسی اثناء میں (مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر) ایک شخص نے دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے رکو رکو لا الہ الا اللہ یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے۔ (واقعہ یہ ہے) کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی۔ وانفقوا فی سبیل اللہ۔۔۔۔ الایۃ (اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) لہذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔ ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے رہے تا آں کہ آپ دفن بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے اور اس غزوہ کا واقعہ جس کو امام ابو داؤد ہی نے کتاب السنن کے "باب فی قتل الاسیر بالنبل" میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

عن ابن علی قال غزونا مع عبدالرحمن بن خالد بن الولید فاتی باربعۃ اعلاج من العدو فامر بھم فقتلوا صبرا۔ قال ابو داؤد قال لنا غیر

سعید بن منصور عن ابن وھب فی ھذا الحدیث قال بالنبل صبرا فبلغ ذالک
ابا ایوب الانصاری فقال سمعت رسول اللہ ﷺ ینھی عن قتل الصبر
فو الذی نفسی بیدہ لو کانت دجاجۃ ما صبرتھا فبلغ ذلک عبدالرحمن بن
خالد بن الولید فاعتق اربع رقاب۔

ابن علی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ (اس مہم) میں ان کے سامنے دشمن کے چار ہٹے کٹے شخص پیش کیے گئے جن کے قتل کرنے کا انہوں نے حکم دیا اور تعمیل حکم میں ان کو باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابن وھب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا۔ جب اس امر کی خبر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اس کا اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے اس فرمانے کی اطلاع جب عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے اس کے کفارے میں چار غلام آزاد کیے۔

حضرت عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض محدثین نے صغار صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع اور دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تشریح کر دی ہے کہ۔

اخرج ابن عساکر من طرق کثیرۃ انہ کان یوم علی غزو الروم ایام معاویۃ

حافظ ابن عساکر نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں ان کو رومیوں سے جو جنگیں لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۴۴ھ اور ۴۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ۴۴ھ اور ۴۶ھ کے واقعات کے ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر امارت رومیوں سے مسلمانوں کے سرمائی جہاد کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ۴۶ھ ہی میں ان کو حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ اپنے غزوات و جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و بااثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید تو ۴۹ھ یا اس کے بھی کئی سالوں بعد ۵۲ھ یا ۵۵ھ قسطنطنیہ کے مہم پر روانہ ہوا تھا اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطنیہ کی شہر پناہ پر جنگ کر چکے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری مہلب المتوفی ۴۳۳ھ جنہوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے اندلس میں مالقہ کے قاضی تھے۔ اور اندلس میں اس زمانے میں خلفائے بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرماں روا تھا۔ اس لیے موصوف کی یہ ساری کارگذاری جیسا کہ محدث قسطلانیؒ نے شرح بخاری ج ۵، ص ۱۰۵ میں تحریر کی ہے، بنی امیہ کی حمیت میں تھی

(محمد عبد الرشید نعمانی کراچی)

تعارف محقق دوراں

پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

پروفیسر ڈاکٹر مولانا سید رضوان علی ندوی صاحب انڈیا کی مسلم ریاست رام پور میں اکتوبر ۱۹۲۷ء (جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ھ) کو سادات کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا، بخاری خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن قدیم خاندانی روایات کے پیش نظر اپنے نام کے ساتھ بخاری نہیں لکھتے، اگرچہ ان کے خاندان کے بعض افراد اپنے نام کے ساتھ جلالی اور بخاری نسبت لکھتے ہیں۔ ان میں ہندوستان کے مشہور و معروف عالم و مصنف مولانا عبدالدائم جلالی مرحوم ہیں۔

مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کے والد سید راحت علی صاحبؒ ریاست رام پور میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے جب کہ ان کی ننھیال کے بزرگ علم و فضل میں مشہور تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی والدہ صاحبہ کے نانا محدث سید محمد شاہ صاحب مرحوم صرف رام پور ہی نہیں بل کہ برصغیر کے سر برآوردہ علماء میں سے تھے مولانا ابوالکلام آزاد نے ان سے کلکتہ میں جامع ترمذی پڑھی تھی وہ اور ان کے فرزند سید حامد شاہ صاحب مرحوم پھر ان کے پوتے سید احمد شاہ صاحب مرحوم برسوں ریاست میں منصب قضا پر فائز رہے۔

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب نے تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن مجید سے کی اور دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اور ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی کی تعلیم رام پور کے مشہور حکومتی مدرسہ غوثیہ میں حاصل کی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم برٹش انڈیا کے الہ باد بورڈ سے حاصل کی۔ آخری دو سال انہوں نے فارسی ادب کی تعلیم برصغیر کے مشہور فارسی دان اور اورنٹیئل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے سابق پروفیسر سید اولاد حسین شاداں بلگرامی سے حاصل کی جو لاہور سے ریٹائر ہونے کے بعد رام پور کے اورنٹیئل کالج میں آگئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس دوران شاداں بلگرامی مرحوم کے زیر نگرانی پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے منشی فاضل کے امتحان کی تیاری کر کے پرائیویٹ طور پر دہلی سنٹر سے یہ امتحان ۱۹۴۵ء میں پاس کرلیا۔

۱۹۴۸ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کے مشورہ پر ان کے رفیق مولانا عبد السلام قدوائی ندوی ؒ کے قائم کردہ مرکز تعلیمات اسلامی لکھنوء چلے گئے جنہوں نے قرآن مجید کے ذریعے عربی سکھانے کا انتہائی آسان اور نتیجہ خیز نصاب مرتب کیا ہوا تھا وہاں اس مختصر عربی کورس کے اختتام پر ۱۹۴۸ء ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے درجہ پنجم میں داخل ہو گئے اور ایک سال کی تعلیم کے بعد عالمیت کی سند حاصل کرلی۔ اور مزید تعلیم کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب ؒ کی معیت میں اپنے مرشد حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوری ؒ کے قافلے میں بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اور ڈھائی سال تک مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ حرم مکی میں مصری امام حرم شیخ عبدالمہیمن ؒ سے تجوید درست کی اور استاد شیخ حسن مشاط ؒ سے نحو پڑھی۔ سید علوی مالکی سے دو سال حرم شریف کے اندر بخاری شریف پڑھی اور دارالحدیث کے استاد اور امام حرم شیخ عبدالرزاق ؒ سے خطابی کی معالم السنن کے درس میں شرکت کی۔ ان کے علاوہ الاستاد احمد عبدالغفور عطار ؒ سید محسن احمد باروم (وزارت میں عربی زبان و ادب کے انسپکٹر آف ایجوکیشن) الاستاد سعید العاموری (مدیر مجلۃ الحجبۃ) الاستاد

عبدالقدوس انصاریؒ (مدیر مجلہ المنہج) استاد عبداللہ المزروع الاستاد رشید فارسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حرم شریف کے دروس کے علاوہ الاستاد سید محسن باروم ؒ کے توسط سے مکہ مکرمہ کے تنہا سرکاری ہائی سکول ''المعہد السعودی'' میں داخلہ مل گیا۔ جہاں تمام اساتذہ مصری تھے۔ ازھری اساتذہ میں تفسیر کے استاد محمد محمد ابوشھبہ فقہ کے استاد شیخ عبداللطیف سرحان اور عربی قواعد، زبان وادب کے قاہرہ یونی ورسٹی کے سند یافتہ الاستاذ عبدالعزیز الرفاعیؒ شامل ہیں۔

مدینہ منورہ کے شش ماہہ قیام ۱۹۵۱ء میں مسجد نبوی شریف میں شنقیط (موریتانیا) کے مشہور شیخ محمد امین الشنقیطی ؒ کے دروس تفسیر میں شرکت کی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ تفسیر ابن کثیر ان کو حرفاً حرفاً حفظ ہے۔ بعد میں جب ریاض میں کلیۃ الشریعۃ قائم کیا گیا تو وہاں استاذ تفسیر مقرر ہوئے ان کی تفسیر ''اضواء البیان'' ۹ اجزاء میں مطبوع ہے۔ حرم مدنی کے دوسرے اہم استاذ شیخ عبدالرحمن الافریقی تھے جو اصلاً سیاہ فام افریقہ کے کسی ملک کے باشندے تھے۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران وہاں کے ریڈیو اسٹیشن سے علامہ اقبال مرحومؒ پر عربی میں ایک تقریر بھی کی جس پر انہیں خالص سونے کی دو اشرفیاں اور خالص چاندی کے بیس ریال معاوضہ بھی ملا تھا۔

حجاز مقدس میں اس تعلیم کے بعد مصر کا سفر شروع ہوا اور وہاں تحریک اخوان المسلمین کو بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا اور مصر سے واپسی پر ''تحریک اخوان المسلمین'' کتاب بھی لکھی جو ۱۹۵۷ء میں دارالحسنات رام پور سے شائع ہوئی اور ۱۹۹۹ء میں مجلس نشریات اسلام کراچی سے اس کا اضافہ شدہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا پھر ندوہ لکھنوء سے ۲۰۰۰ء میں تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

قاہرہ ہی میں سید رضوان علی صاحب کی ملاقات مفتی اعظم فلسطین السید امین الحسینیؒ سے ہوئی جو وہاں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے۔ ان کے علاوہ جن اہم شخصیات سے

وہاں ملاقاتیں رہیں ان میں مشہور ادیب اور سابق مصری وزیر تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین، اخوان المسلمین کے مرشد عام مرحوم حسن الھضیبی ؒ اخوان کے ممتاز راہ نما اور مشہور مفسر قرآن سید قطب شہیدؒ، مشہور مصنف احمد امین، ازہر کے ممتاز عالم و پروفیسر ڈاکٹر محمد البہی شامل ہیں۔ جو بعد میں مصر کے وزیر اوقاف مقرر ہوئے۔

ستمبر ۱۹۵۵ء میں تعلیم کا تیسرا مرحلہ دمشق میں شروع ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ نے ندوۃ العلماء کے تین طلبہ کو سکالرشپ پیش کیے تو ان میں سید رضوان علی ندوی صاحب کا نام بھی شامل تھا۔ چناں چہ دمشق یونی ورسٹی میں ان کی تعلیم کا چہار سالہ تعلیمی دور شروع ہوا۔ دمشق کلیۃ الشریعہ میں اس وقت جو اساتذہ تھے وہ نہ صرف شام بل کہ عالم عرب کے مشہور و ممتاز علماء تھے جن میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ، پروفیسر احمد الزرقاء، پروفیسر ڈاکٹر معروف الدوالیبیؒ، پروفیسر ڈاکٹر یوسف العش ؒ، (ان ہی کی زیر نگرانی ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب نے کلیۃ الشریعہ کے چوتھے سال ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم و مصلح سلطان العلماء العز بن عبدالسلام پر تحقیقی مقالہ حصول ڈگری کے لیے لکھا جو ۱۹۶۰ء میں دارالفکر دمشق سے شائع ہوا۔) شامی علماء و محققین کے علاوہ کلیۃ الشریعہ میں ان کے بعض اساتذہ مصری ازھری علماء بھی تھے۔ جن میں ڈاکٹر زکی شعبانؒ، ڈاکٹر مصطفیٰ زیدؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔

سلطان العلماء پر تحقیق کے دوران ان کا تعلق استاذ عمر رضا کحالہ مصنف معجم المولفین (۱۵ جلدیں) سے ہوا۔ یہ مکتبہ ظاہریہ کے ڈائریکٹر تھے۔ یہیں پر ڈاکٹر صاحب کی ملاقات عالم اسلام کے معروف و مشہور محقق محدث مصنف شیخ ناصر الدین البانی ؒ سے ہوئی جو ایک خاص کمرے میں حدیث پر اپنا تحقیقی کام کرتے تھے۔ دمشق یونی ورسٹی سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب مزید ایک سال دمشق میں مقیم رہے اور مولانا علی میاںؒ کے والد گرامی کی کتاب ''معارف العوارف'' کی پروف ریڈنگ کا کام بھی مکمل کیا۔ جو ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند'' کے

نام سے دمشق اکیڈمی سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

سید رضوان علی ندوی صاحب کی اعلیٰ تعلیم کا آخری مرحلہ انگلستان کی مشہور یونی ورسٹی کیمبرج میں تکمیل پذیر ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں کیمبرج یونی ورسٹی پہنچے جہاں پروفیسر آربری ان کے مقالہ کے نگران تھے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے تین سال ضروری ہیں لیکن ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب نے دو سال کے عرصہ میں ڈاکٹریٹ کرلیا۔ ان دو سالوں میں پروفیسر آربری کے مڈل ایسٹ سنٹر میں ریسرچ اسٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت بھی کی اس کے علاوہ کیمرج یونی ورسٹی میں بی آنرز کے طلبہ کو فارسی پڑھائی۔ جون ۱۹۶۳ء کو رضوان علی ندوی صاحب کو کیمبرج یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی۔

کیمبرج سے فراغت کے دو ماہ بعد ہی ریاض (سعودی عرب) میں کنگ سعود یونی ورسٹی میں اسلامی تاریخ وتمدن پڑھانے کی ملازمت مل گئی۔ ایک سال مکہ مکرمہ کے کلیۃ التربیۃ (موجودہ ام القریٰ یونی ورسٹی) اور پھر اس کے ایک سال بعد ۱۹۶۵ء میں بنغازی کی یونی ورسٹی آف لیبیا میں اسلامی تاریخ وتمدن کے فل پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار فرمالی اور چودہ سال وہاں تعلیمی خدمات سرانجام دیں اس دوران ایک سال فارسی اور ایک سال اصول فقہ کی تدریس بھی کی۔

۱۹۷۹ء میں لیبیا سے پھر ریاض (سعودی عرب) کی امام محمد بن سعود اسلامک یونی ورسٹی میں اسلامی تاریخ وتمدن میں فل پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا اور ڈاکٹر صاحب نے یہاں بھی لیبیا کی طرح ''برصغیر میں اسلامی تاریخ'' کا مضمون داخل کیا۔ بالآخر طویل علمی خدمات کے بعد ۱۹۸۷ء میں پاکستان تشریف لائے اور ۱۹۹۰ء میں کراچی یونی ورسٹی کی برھان الدین عربک چیئر پر چیئر پروفیسر مقرر ہوئے۔ عرب یونی ورسٹیوں میں تدریس کے دوران چھ عربی کتابیں شائع ہوئیں اب اردو تصانیف کا سلسلہ شروع ہے۔

تصانیف

۱۔تحریک اخوان المسلمین (اردو ترجمہ) دارالحسنات رام پور ۱۹۵۷ء۔کراچی ۱۹۹۹ء

۲۔العزبن عبدالسلام (عربی) دارالفکر دمشق ۱۹۶۰ء

۳۔فوائد فی مشکل القرآن (عربی) کویت۔جدہ

۴۔استنبول وحضارۃ الامبراطوریہ العثمانیہ (انگریزی سے عربی ترجمہ) بنغازی۔جدہ

۵۔السلطان محمد فاتح (عربی) جدہ

۶۔دول العالم الاسلامی فی العصر العباسی (عربی) ریاض

۷۔العلوم والفنون عند العرب (عربی) ریاض

۸۔اللغۃ العربیۃ وآدابھا فی شبہ القارۃ الہندیۃ الباکستانیۃ عبر القرون (عربی) جامعہ کراچی

۹۔Izz Al Din Al-Sulami ,His Life & Works

۱۰۔خانوادہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد بنوامیہ (اردو)

۱۱۔تحقیقات وتاثرات (اردو)

۱۲۔قرآن کی روشنی میں

۱۳۔Spread Of Islam In The Sub Continent

۱۴۔ناصبیت تقدس کے بھیس میں (اردو)

اب ان کی عمر ۸۵ سال سے متجاوز ہے۔تحقیقی و تصنیفی اشتغال کے ساتھ کراچی میں درس تفسیر قرآن کا سلسلہ کئی برسوں سے ہنوز جاری ہے۔اللہ تعالیٰ اس نابغۂ روزگار ہستی کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین ثم آمین

یکے از خدام

مہر حسین بخاری کامرہ کلاں

یزید و حدیث قسطنطنیہ۔۔۔حقائق اوہام

اہل بیت اطہار سے بغض رکھنے والے ناصبیوں اور یزید و بنی امیہ سے محبت رکھنے والے شاہ پسندوں نے غزوۂ قسطنطنیہ میں یزید کی نام نہاد قیادت اور اس بنا پر اس کے "مغفور" ہونے کا بہت شور مچایا ہوا ہے۔نصف صدی سے زیادہ قبل چینی سفارت خانے میں کام کرنے والے ایک شخص محمود احمد عباسی نے ایک فریب کارانہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر ناصبی فتنے کو ہوا دی، اور اس کے بعد سے اب تک اس فتنے کی آگ بھڑک رہی ہے اور روز بروز تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔

افسوس کہ پاکستان کے بہت سے نام نہاد علماء بھی شیعوں کی ضد میں اس فتنے کی رو میں بہہ گئے، انہی میں ایک مولانا اسحاق سندیلوی بھی تھے، جو تقسیم ہند سے قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاشیات و تاریخ کے استاد رہے تھے۔پاکستان آئے اور بنوری ٹاؤن (گرومندر سابقاً) کے دارالعلوم میں حدیث کے استاد ہو گئے تھے اور یہاں کراچی میں ان کو دارالعلوم ندوۃ کا شیخ الحدیث مشہور کر دیا گیا تھا، وہ ندوۃ کے شیخ الحدیث کبھی نہ رہے میرے زمانہ ۱۹۴۹/۵۰ء میں اور اس سے کافی عرصہ قبل سے شاہ حلیم عطا صاحب حدیث کے سب سے بڑے استاد تھے، (درحقیقت وہاں شیخ الحدیث کا کوئی منصب ہی نہیں تھا)۔یہ بڑے محقق اور وسیع العلم عالم تھے میں نے ان سے صحیح مسلم کا کچھ حصہ درساً پڑھا تھا۔بہر حال مولانا اسحاق صاحب صدیقی سندیلوی

نے مدرسہ بنوری ٹاؤن میں رہ کر محمود عباسی کی فکر سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا اور یزید کے اس مداح وقصیدہ خواں کے ایک شاگرد عزیر احمد صدیقی نے عباسی کے آٹھ شاگردوں کے جو نام گنائے ہیں ان میں مولانا اسحاق سندیلوی صاحب کا بھی ایک نام ہے (اظہار حقیقت ،مصنفہ اسحاق سندیلوی) پر بصیرت افروز تبصرہ ،تصنیف مولانا سید لعل شاہ بخاری مرحوم، صفحہ ۱۸)

مولانا اسحاق سندیلوی صاحب بھی یزید کے مداح اور اس کو حدیث قسطنطنیہ کا مصداق یعنی مغفور سمجھنے والے تھے ۔ان کی یزید سے محبت کا اندازہ اس بات کا سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''حادثہ کربلا'' اور ''امیر المومنین یزید'' کے نام سے لکھنے والے ناصبی مصنف مولوی عظیم الدین صدیقی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے (تبصرہ ص ۱۹۷) انہوں نے اس کو ''بہت نافع اور مفید'' لکھا ہے، حالاں کہ امام ذہبی اور دوسرے مستند واصحاب تحقیق مصنفین نے لکھا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ ۱۰۱۔۹۹ھ) کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کے لقب سے ذکر کیا تو اس کو ان کے حکم سے بیس کوڑے مارے گئے، (الذھبی ،سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۰۔ بیروت طبعۃ ۷، سنہ ۱۹۹۰ء، وتہذیب التہذیب ولسان المیزان ابن حجر)

یہ لمبی تمہید میں نے اس حقیقت کے اظہار کے لیے لکھی ہے کہ مولانا اسحاق سندیلوی صدیقی نے مخصوص دیوبندی مکتب فکر سے تعلق قائم کرنے کے بعد ندوہ کا نام بدنام کیا ہے، وہ ایک منفرد شخص ہیں، ندوہ کا ان کی فکر سے کوئی تعلق نہیں ،یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اساطین ندوہ، مولانا شبلی نعمانیؒ ،مولانا سید سلیمان ندویؒ ،مولانا شاہ معین الدین ندویؒ مولانا محمد ناظم ندوی مرحوم سابق شیخ جامعہ اسلامیہ عباسیہ بہاول پور) اور پھر مولانا ابوالحسن علی رحمہ اللہ وغیرہ بل کہ کسی بھی ندوی استاد اور مصنف ومحقق کا ناصبی فکر سے کوئی تعلق نہیں۔

اور دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے تو اپنی تحریروں میں ناصبیوں کے ممدوح کو یزید پلید لکھا ہے، اور بیسویں صدی میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم و

مشہور مہتمم قاری طیب صاحب نے تو اپنی کتاب ''شہید کربلا'' لکھ کر اس سلسلے میں اہل دیوبند کا نام روشن کر دیا ہے، اور یزید کو صحیح طور پر مطعون کیا ہے۔ اسی طرح محقق کبیر مولانا عبد الرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''یزید اہل سنت کی نظر میں'' لکھ کر اہل سنت کے نقطۂ نظر کو واضح کیا ہے کہ یزید نے کربلاء میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت و رفقاء کو شہید کر کے اور پھر تین سال بعد مدینہ طیبہ پر حملہ کرا کے جو ''واقعہ حرہ'' کے نام سے مشہور ہے اپنے لیے لعنت کا سامان کیا، اسی لیے چھٹی صدی ہجری کے مفسر و محدث و مورخ امام ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) نے یزید کو خبیث (پلید) کے نام سے یاد کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی یزید کو مستحق لعنت سمجھتے تھے، جب ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کہا کہ پھر آپ اس کا ملعون کہہ کر کیوں ذکر نہیں کرتے تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے کب اپنے باپ کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کو اس کا نام لے کر ملعون کہے؟ جیسا کہ مرحوم مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے اپنی مذکورہ بالا کتاب اور ناصبیوں کے خلاف دوسری کتب میں واضح کیا ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں اہل سنت کے تین مکتب فکر ہیں، ایک وہ ہیں جو لعنت جائز سمجھتے ہیں ان میں بڑے بڑے ائمہ و مصنفین کے نام ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو لعنت جائز نہیں سمجھتے ہیں اور تیسرا گروہ وہ ہے جو معتدل ہے یعنی نہ لعنت کرتا ہے اور نہ لعنت پر دوسروں کی مذمت کرتا ہے اور کہتا ہے علیہ ما یستحق'' یہ وہی امام احمد کا پیرو کار گروہ ہے۔

بہرحال ایسا شخص جس پر امام ابن الجوزی جیسے محدث و محقق نے لعنت بھیجی ہو اس کے لیے کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ حدیث قسطنطنیہ کے مطابق مغفور (مغفرت پانے والا یا مغفرت شدہ) ہے۔ ابن الجوزی کے علاوہ پانچویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم الکیا الہراسی صاحب کتاب احکام القرآن نے بھی یزید پر لعنت بھیجی ہے (وفیات الاعیان، ابن خلکان، سوانح الکیا الہراسی)

مختلف معاصر، مورخین و مصنفین نے ثابت کیا ہے کہ یزید پہلے غزوہ قسطنطنیہ میں شامل نہیں تھا بل کہ بعد کے کسی غزوہ میں گیا تھا، اس لیے وہ مغفرت کی اس بشارت کا مستحق نہیں جس کا ذکر بخاری کی حدیث میں کیا گیا ہے اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے لیکن اس سے قبل یزید کی شخصیت و کردار کو زیر بحث لانا ضروری ہے، تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کیا وہ اپنے کردار کے لحاظ سے مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں۔

یزید کا کردار۔شاعری وشراب نوشی

ا۔یزید کی شراب نوشی اور لہو ولعب کی زندگی پر قدیم وجدید تمام مورخین متفق ہیں۔ یہ سب وہ نہیں جو یزید کی صرف برائیاں بیان کرتے ہیں، اس کو ایک مکروہ شخصیت قرار دیتے ہیں۔بل کہ ان میں وہ بھی ہیں جو اس کی فصاحت و بلاغت اور شجاعت وفطانت کے مداح ہیں۔ان میں سب سے مشہور ومعروف اور ثقہ ومستند محدث ومورخ امام ذہبی (متوفیٰ ۷۴۸ھ) ہیں۔جن کی اسماء الرجال وتاریخ میں دسیوں تصانیف ہیں ان کی سب سے زیادہ مفصل کتاب سیر اعلام النبلاء ہے (طبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۵ مجلدات ، جلد اخیر فہارس الاعلام) جو ان کی ایک انتہائی ضخیم تاریخ ''تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام'' (طبعۃ ۱۹۸۸ء ومابعدھا، بیروت) کے بعد لکھی گئی ہے۔اس میں یزید کے سوانح حیات پانچ صفحات میں ہیں (ج ۴ص ۳۵۔۴۰)

یہ امام ذہبی وہ ہیں جنہوں نے یزید کے مختصر حالات لکھتے ہوئے ابتداء میں کہا ہے

وَيَزِيْدُ مِمَّنْ لَا نَسُبُّهُ وَلَا نُحِبُّهُ، وَلَهُ نُظَرَاءُ مِنْ خُلَفَاءِ الدَّوْلَتَيْنِ، وَكَذٰلِكَ فِي مُلُوْكِ النَّوَاحِي، بَلْ فِيْهِمْ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنْهُ

(اور یزید ان میں سے ہے جس کو نہ ہم گالی دیتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے

ہیں، دونوں سلطنتوں (بنی امیہ و بنی عباس) میں اس جیسے اور بھی ہوئے ہیں اور اسی طرح اطراف خلافت کے آزاد بادشاہوں میں بل کہ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو اس (یزید) سے بدتر تھے (۱)۔

کچھ اس سے ملتی جلتی ہی بات امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں یزید کے تذکرے میں لکھی ہے

اس کے بعد آگے چل کر ذہبی یزید کی شجاعت، طاقت، صوابدید، ذہانت، اور فصاحت وشاعری کے ذکر کے ساتھ فوراً ہی کہتے ہیں

وَكَانَ نَاصِبِيّاً فَظّاً غَلِيظاً، جلفاً، يتناول المسكر، ويفعل المنكر

وہ ناصبی، سخت گیر، کھرا اور بدمزاج اکھڑ تھا، شراب پیتا اور برے افعال کا ارتکاب کرتا تھا۔ سیر اعلام النبلاء الذہبی، ج ۴۔ ص ۳۷)

اور اس کے فوراً بعد دوسرے جملے میں وہ کہتے ہیں

افْتَتَحَ دَوْلَتَهُ بِمَقْتَلِ الشَّهِيدِ الحُسَيْنِ، وَاخْتَتَمَهَا بِوَاقِعَةِ الحَرَّةِ فَمَقَتَهُ النَّاسُ وَلَمْ يُبَارَكْ فِي عُمُرِهِ.

اس نے اپنی سلطنت کی ابتداء حضرت حسینؓ شہید کے قتل سے کی اور اختتام واقعہ (یعنی جنگ) حرہ پر کیا، اس لیے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے اور اس کی عمر میں برکت نہیں دی گئی۔

یاد رہے کہ یزید واقعہ حرہ کے چالیس دن یا ڈھائی ماہ بعد دمشق سے دور حوارین میں گھوڑے سے گر کر مر گیا تھا۔ اس کی عمر اس وقت صرف ۳۸ سال تھی۔

امام ذہبی یزید کی بعض عام انسانی صفات سخاوت، جرأت، شاعرانہ صلاحیت کے

۱۔ ان کا اشارہ اموی خلیفہ ولید الثانی اور عباسی خلیفہ محمد الامین ابن ہارون الرشید کی طرف ہے جو اپنی عیاشی، شراب خوری اور بدکرداری کے لیے مشہور ہیں۔

۱۲۸

مداح ہونے کے باوجود اس کی شراب نوشی کے معترف ہیں، اور امام ذہبی سے پانچ سو سال قبل مشہور صاحب تحقیق و دقیقہ رس مورخ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) نے مشہور صحابی مسور بن مخرمۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''وہ یزید سے ملنے گئے جب وہ اس سے مل کر آئے تو انہوں نے اس کے فسق اور شراب خواری کی گواہی دی (انساب الاشراف، جلد ۴ قسم ۲، صفحہ ۳۱، طبعۃ القدس ۱۹۳۸)

یہی نہیں بلاذری نے قدیم ترین مصنفین عوانہ (وفات ۱۴۷ھ) ابوبکر بن عیاش (۱۹۳ھ) ہیثم بن عدی (۲۰۷) ہشام بن محمد بن السائب الکلبی (۲۰۴ھ) وغیرہ دوسری صدی ہجری کے مصنفین کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''یزید بن معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے کھلے عام شراب پینے، گانا سننے، شکار کرنے اور گانے والی باندیاں اور نوجوان لڑکے رکھنے، بندر پالنے، کتوں اور مرغوں کی لڑائی سے لطف لینے کا آغاز کیا جو اہل ثروت اور عیاش لوگوں کا شیوہ ہے''

اس طرح یزید کی شراب خواری اور لہو و لعب کی زندگی کسی ایک شخص یا مصنف کا قول و الزام نہیں بل کہ بہت قدیم زمانے سے یہ ایک مشہور اور زبان زد خاص و عام بات تھی جس کے راوی اور بیان کرنے والے قدیم ترین ثقہ مصنفین ہیں۔

عوانہ بن الحکم اور ابوبکر بن عیاش کا شمار محدثین میں ہوتا ہے اور عوانہ بن الحکم نے تو ''سیر معاویہ و بنی امیہ'' نام کی کتاب بھی لکھی تھی جو اب ناپید ہے، اور امام ذہبی جیسے قدیم محققین کا بیان ہے کہ وہ بنی امیہ کے مداح اور ان کی تعریف میں روایات وضع کرتے تھے (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء، ترجمہ عوانہ بن الحکم)، دوسری صدی ہجری کے مذکورہ بالا قدیم راویوں میں سے جن کا ذکر تیسری صدی ہجری کے ممتاز اور مدقق مورخ بلاذری نے کیا ہے کوئی بھی شیعی تو کیا شیعہ میلانات بھی نہیں رکھتا تھا، یہ ہم نے اس لیے کہا ہے کہ یزید سے محبت

رکھنے والے اور اہل بیت سے بغض رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ یزید پر شراب نوشی کا الزام لگانے والے شیعہ تھے یا شیعی میلانات رکھتے تھے۔ بلاذری اور اس سے ایک صدی قدیم مصنفین میں سے جن کا ذکر ہم نے کیا کوئی بھی یزید دشمن نہیں، اور پھر بلاذری جس نے یزید کے سوانح حیات غیر معمولی طور پر پندرہ بڑے صفحات میں بیان کیے ہیں، اس میں یزید کی شجاعت، حکمت اور فصاحت اور شاعرانہ صلاحیت کے بارے میں بھی بہت سی تعریفی باتیں لکھی ہیں اور اس کے بہت سے اشعار پیش کیے ہیں۔

جہاں تک جدید مشرقی و مغربی مصنفین کا تعلق ہے، تو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کا بیلجین (Belgian) فرنچ مستشرق ہنری لامنس (H.Lammens) متوفی ۱۹۳۷ء جس کی عربی زبان میں متعدد کتابیں ہیں اور جو بیروت میں مقیم ہوگیا تھا جہاں وہ ایک رسالے ''البشیر'' کا ایڈیٹر تھا اور جو اموی مملکت کا بڑا مداح تھا اور جس نے ''خلافت یزید'' نامی کتاب لکھی ہے، وہ بھی اس بات کا معترف ہے کہ یزید شراب پیا کرتا تھا۔

وہ بیروت کے مجلۃ المشرق (مجلد ۲۲، عدد ۳، سنہ ۱۹۲۴ء) میں یزید کے دیوان پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے

فاما الخمور فاننا نعلم ان یزید کان یعتقر الخمر مع ندمائه ویعرف خمور لبنان والشام ومالهامن المزایا الطیبة

اور جہاں تک شراب سے متعلق اشعار و قصائد کا تعلق ہے تو ہم جانتے ہیں کہ یزید اپنے ندیموں کے ساتھ شراب پیا کرتا تھا، اور اس کو لبنان اور شام کی شرابوں کی امتیازی لذت کا پتہ تھا (شعر یزید بن معاویہ، جمع و تحقیق دکتور صلاح الدین المنجد، دار الکتاب العربی، بیروت، صفحہ ۴۵)

یہ وہ شخص ہے جس نے یزید کو ''الملک الجلیل'' کے لقب سے یاد کیا ہے، اس کا

دفاع کیا ہے، اور اس کے عہد کو خوش حالی و امن کا عہد کہا ہے۔ (حوالہ بالا)

اسی طرح بیسویں صدی کا ایک بہت مشہور لبنانی مورخ فلپ ہٹی (Hitti) جو لبنان چھوڑ کر امریکا میں مقیم ہو گیا تھا اور وہاں کی ایک بڑی ممتاز و مشہور یونی ورسٹی پرنسٹن (Prinston) میں اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر تھا، عربی و انگریزی دونوں زبانوں میں لکھتا تھا اور اس کی کتاب History of Arabs (تاریخ العرب۔مطول) جو ۱۹۳۷ء سے برابر چھپ رہی ہے (میرے پاس اس کا ساتواں ایڈیشن ۱۹۶۱ء ہے۔وہ امریکا اور یورپ کی یونی ورسٹیوں میں ایک درسی حوالے کی کتاب ہے اس کتاب میں اموی خلافت کے ذکر کے ضمن میں یزید کی شخصیت و تربیت اور غزوہ قسطنطنیہ میں اس کی شرکت کے حوالے سے کافی کلام کیا گیا ہے۔یہ بھی یزید کا مداح ہے لیکن وہ بھی یزید کی شراب خوری کا معترف ہے۔

یزید کی ماں کے حوالے سے یہ بات تمام قدیم عربی تواریخ میں لکھی ہوئی ہے کہ وہ شام کے عرب قبیلے بنی کلب (جس کے اکثر لوگ قدیم سے عیسائی ہو گئے تھے) کے ایک سردار کی بیٹی میسون بنت بحدل تھی، ہمارے مورخ اس کے مذہب کی تصریح نہیں کرتے لیکن لبنان کے اس عیسائی عرب نے تصریح کی ہے کہ وہ "نصرانی تھی" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "میسون اکثر اپنے بیٹے یزید کو اپنے خاندانی صحرائی علاقے (بادیہ) لے جاتی تھی جہاں نوجوان یزید کو سخت مزاجی، گھڑ سواری، شکار، شعر گوئی اور شراب خواری کی عادت پڑی۔

ئرائی علاقہ (بادیہ) دمشق کے مشرقی صحرا میں نخلستان تدمر کے قریب ہے اور تدمر وہ شامی سحرائی شہر ہے جہاں ظہور اسلام سے ساڑھے تین سو سال قبل یعنی عہد جاہلی میں ایک عرب مملکت قائم تھی جس کی حکمران ایک عرب ملکہ زباء (وفات ۲۸۵ء) انگریزی میں زنوبیا ہوئی ہے اور جس نے رومیوں کے خلاف جنگ کی فتحیاب ہوئی اور پھر ایک دوسری جنگ میں شکست کھا کر گرفتار ہوئی، رومی بادشاہ اس کو روما لے گیا جہاں وہ قید میں رہ کر مرگئی۔

بہت ممکن ہے کہ میسون کا شجرۂ نسب بھی کہیں اس پہلی عرب ملکہ سے ملتا ہو یا حضرت معاویہ نے شام کے اس سرکردہ قبیلہ کلب کے ایک سردار بحدل کی بیٹی سے شادی اس لیے کی ہو کہ ان کو عرب عیسائیوں کی حمایت حاصل رہے، لیکن اس صحرائی خاندانی عورت کو دمشق کی محلاتی اور تہذیب وتمدن کی جکڑی ہوئی زندگی پسند نہ تھی اور وہ طلاق لے کر اپنے تدمر کے علاقے میں واپس چلی گئی تھی۔ (تاریخ العرب، انگریزی از ھٹی ص ۱۹۵، ترجمۂ عربی ص ۲۵۸)[1]

عیسائیوں سے بنی امیہ اور خاص طور پر حضرت معاویہ اور یزید کے تعلق کے حوالے سے ایک بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے جس کا قدیم عرب تواریخ میں ذکر ہے کہ حضرت معاویہ کا کاتب الخراج (وزیر مالیات) اور معتمد علیہ شخص ایک عرب عیسائی سرجون بن منصور تھا، بعد کو یزید کے عہد میں بل کہ اس کے بیٹے معاویہ الثانی اور مروان کے عہد تک خلافت کے مالیاتی امور کا سربراہ یہی عیسائی تھا، بل کہ یہی وہ شخص تھا جس نے یزید کو مشورہ دیا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا جائے اور اگرچہ یزید اس ابن زیاد سے خوش نہیں تھا لیکن جب سرجون بن منصور نے یزید کو اس کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کا عبید اللہ بن زیاد کا تقرر نامہ دکھایا تو واقعی اس نے ابن زیاد کو سیدنا حسین ؓ کو گرفتار کر کے لانے یا قتل کرنے کی مہم سپرد کی۔

اسی سرجون بن منصور کا ایک بیٹا یوحنا دمشقی تھا، جو یزید کا دوست اور محفل شراب نوشی میں عرب عیسائی شاعر اخطل کے ساتھ اس کا ندیم تھا اور یہ تینوں مل کر شراب کی محفل سجاتے تھے (ہٹی مرجع سابق ص ۱۹۶، ترجمہ عربی یعنی عربی ایڈیشن ص ۲۵۹)

---

[1] اللہ برا کرے نواصب کا جو محض بغض حسین ؓ کی وجہ سے ایک صحرائی خانہ بدوش عیسائی عورت کو جناب سیدہ میسونہ رضی اللہ عنہا لکھتے ہیں۔

یہی نہیں بل کہ حضرت معاویہ نے شہر حمص کے خراج کا سربراہ بھی ایک عرب عیسائی ابن اثال کو بنایا تھا (ہٹی ۲۵۹ بحوالہ ابن عساکر، تاریخ دمشق ج ۵، ص ۸۰)

ابن عبدوس الجہشیاری (متوفی ۳۳۱ھ) نے بھی اپنی کتاب "الوزراء والکتاب" میں اس عیسائی شخص کے منصب کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں اس کا نام ابن اوثال لکھا ہے (کتاب مذکور، طبعۃ مصطفی البابی الحلبی القاہرہ، ۱۹۳۸، صفحہ ۲۷)

اسی عالمی شہرت کے لبنانی امریکی مورخ ہٹی (Hitti) نے یزید کی شراب نوشی سے متعلق بات اپنی آخری عربی تصنیف "صانعو التاریخ العربی" میں حضرت معاویہ پر اپنے مضمون میں دہرائی ہے۔ وہ کہتا ہے "و کان (یزید) اول خلیفۃ شرب الخمرۃ فی الاسلام" (یزید) پہلا خلیفہ تھا جس نے اسلام میں شراب پی (صانعو التاریخ العربی، دار الثقافۃ بیروت، ۱۹۶۹ء صفحہ ۸۲)

ہم نے خاص طور پر یزید کی شراب نوشی سے متعلق عیسائی مصنفین کے یہ بیانات پیش کیے ہیں تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ شیعہ مصنفین یا شیعی میلانات رکھنے والے مصنفین کے خیالات ہیں کہ ان عیسائی مصنفین کا اسلامی فرقہ پرستی سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر یہ کہ یزید کے خاص حلقۂ احباب و مشیران میں عرب عیسائی تھے جن کے یہاں شراب پینا عام تھا۔ آج بھی عراق، شام، اردن، لبنان و مصر وغیرہ میں لاکھوں عیسائی عرب ہیں۔

جہاں تک سرجون بن منصور یزید کے کاتب دیوان الخراج (وزیر مالیات) کا تعلق ہے تو بلاذری (۲۷۹ھ) نے قدیم عظیم مصنف ابوالحسن علی مدائنی (۱) (۱۳۲۔۔ ۲۲۵ھ) سے نقل کیا ہے کہ

۱۔ المدائنی کو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۰۰ میں العلامۃ الحافظ الصادق کے القاب سے ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن معین جیسے ناقد آثار و حدیث نے ان کو ثقہ لکھا ہے، ۹۳ سال کی عمر پائی، بہت وسیع العلم مصنف تھے، صاحب الفہرست محمد بن اسحاق الندیم نے ان کی دو سو سے زائد کتابوں کے نام گنائے ہیں

"کان یزید ینادم علی الشراب سرجون مولی مُعَاوِیَة.

(یزید حضرت معاویہؓ کے آزاد کردہ غلام سرجون کے ساتھ شراب پیتا تھا۔(بلاذری، انساب الاشراف ج ۴، صفحہ ۲)

پھر ان مورخین کے بیانات سے بڑھ کر یزید کے شراب نوشی سے متعلق اس کے اپنے بیسیوں اشعار ہیں جو تاریخ اور شعر و ادب کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یزید کا دیوان بیسویں صدی کے مشہور شامی مصنف و محقق ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے "شعر معاویہ بن یزید" کے نام سے ایک شعری مجموعے میں مدون کیا ہے (دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۸۲ء)

ہمارے علماء یزید کی شاعری کے متعلق بہت کم جانتے ہیں یا اس سے غفلت برتتے ہیں لیکن تمام قدیم مصنفین و ادباء یزید کی شعر و شاعری کے معترف و مداح ہیں، اور ان میں ابن خلکان اور ابن کثیر جیسے مشہور و معروف ثقہ مورخین بھی شامل ہیں۔ یزید پہلا اموی خلیفہ تھا جس نے شاعری کی، وہ بچپن سے شعر کہتا تھا اور اس کے عہد کے شعراء اخطل (عیسائی) وغیرہ نے یزید کی شاعرانہ صلاحیت اور اس کے اشعار کی تعریف کی ہے۔

اور اخطل تو یزید کا درباری شاعر اور ندیم (رفیق محافل شراب نوشی) تھا قدماء نے یزید کی شاعری کو بہت اہمیت دی تھی اور مورخ ابن خلکان کے بقول، مشہور ادیب و مصنف المرزبانی (متوفی ۳۷۸ھ) نے یزید کا دیوان جمع کیا تھا، جو مختصر تھا بعد کو دو تین اور مصنفین نے بھی یزید کے دیوان ترتیب دیے، لیکن یہ ہم تک پہنچے نہیں اب ہمارے عہد میں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، یزید کے اشعار کا محققانہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے، مختصر ہونے کے ساتھ اس کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں یزید سے منسوب ان اشعار کی نشان دہی بھی کر دی گئی

ہے جو اس کے نہیں ہیں اور جس طرح اخطل، جریر، فرزدق وغیرہ شعراء کی زبان لغوی طور پر حجت ہے، اسی طرح یزید کی زبان بھی لائق استناد ہے۔

یزید کی شاعری اور دیوان سے متعلق ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے، وہ اس لیے کہ شراب نوشی سے متعلق یزید کے جو اپنے اشعار ابھی ہم پیش کریں گے، اس کے متعلق یہ نہ کہا جا سکے کہ یہ سب دروغ بیانی اور افتراء ہے، یزید کے جاہل ہوا خواہوں اور اس کے صاحب علم ہمنواؤں اور محبین سے یہ بعید نہیں۔

دو اشعار کے ایک قطعہ میں جب سلم بن زیاد بن ابیہ اس کا شریک محفل تھا وہ کہتا ہے

اسقینی مزة تروی مشاشی

وادر مثلها علی ابن زیاد

موضع السر والامانة عندی

وعلی ثغر مغنمی وجهادی

ترجمہ مجھے ایسی عمدہ شراب پلا دے (اے ساقی) کہ جو میری ہڈیوں کو بھی سیراب کر دے اور ایسا ہی ایک پیالہ شراب ابن زیاد کو بھی دے، جو میرا راز دار اور امین ہے اور میرے مال غنیمت اور جہاد کی سرحد پر متعین ہے۔ البلاذری، حوالۂ بالا ص ۱۱)

ڈاکٹر المنجد نے اپنی کتاب "شعر معاویہ بن یزید" ص ۶ میں مسعودی کی مروج الذہب اور ابو الفرج الاصفہانی کی کتاب الاغانی کے حوالے دیئے ہیں، اور کچھ حاشیے بلاذری سے بھی نقل کیے ہیں۔ شعر میں واقع ابن زیاد نام کی تشریح میں بلاذری نے کہا ہے: یعنی سلم بن زیاد وکان علی خراسان (یعنی ابن زیاد سے یہاں سلم بن زیاد ہے) جو خراسان کا گورنر تھا۔ طبری نے اپنی تاریخ میں ۶۱ھ میں سلم بن زیاد بن ابیہ کو خراسان اور سجستان کا گورنر

مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت سلم کی عمر چوبیس سال تھی۔

بلاذری نے یزید کے ایک اور ندیم کا بھی اسی صفحہ پر ذکر کیا ہے، یعنی مسلم بن عمرو الباھلی جو اس کے ساتھ شراب پیتا اور اس کو گانا سناتا تھا(۱) (یہ قتیبہ بن مسلم کا باپ ہے جو ولید بن عبدالملک کے زمانے میں خراسان کا گورنر بنا اور اس نے بلاد ماوراء النہر (ترکستان) فتح کیا۔

یزید نے اپنے ندیم (رفیق مے نوشی) کے بارے میں جو چار شعر کہے ہیں، وہ بھی اس کی مے نوشی کے شاہد ہیں، یہ شعر بلاذری نے انساب الاشراف میں نقل کیے ہیں اور یہ یزید کے مجموعہ اشعار میں بھی ہیں، ہم طوالت کی وجہ سے ان کو یہاں نقل نہیں کرتے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے:

''میرا ندیم بلاشک میرے نزدیک بہت مکرم ہے، اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش رکھتا ہے، جام شراب کے تلے میں جو شراب بھی رہتی ہے، اور جس کو وہ پینا نہیں چاہتا وہ میں اس کو بدمست کرنے کے لیے نہیں پلاتا ہوں (اس سے نہیں کہتا ہوں کہ اور پی لو) لیکن میں اس کا احترام کرتا ہوں، اور شراب کو اس کے پاس سے ہٹا دیتا ہوں اور اس کو اتنی پلاتا ہوں، جتنی وہ پینا چاہتا ہے اگر وہ نشے سے چور ہو کر میری محفل میں سو جاتا ہے تو میں اس کو جگاتا نہیں اور جب وہ جاگ جاتا ہے تو اس سے کوئی بری بات بھی نہیں کہتا ہوں'' (شعر معاویہ بن یزید و انساب الاشراف بلاذری، ج ۴ ص ۱۱)

اس کے علاوہ یزید کے بعض اشعار وہ بھی ہیں جو فحشیات کے زمرے میں آتے ہیں جو اس نے اپنی بیوی کے دیر سے آنے پر اور اپنی کالی باندی سے مجامعت کی تصویر کشی ✓

۱۔ بلاذری نے یزید اور دوسرے لوگوں کے کردار سے متعلق یہ معلومات دوسری صدی ہجری کے مورخین کی کتابوں سے نقل کیے ہیں جو اب ناپید ہیں۔

میں کہے تھے، یہ تین اشعار کا ایک قطعہ ہے

اسلمی ام خالد　　　　رُب ساع لقاعد

یہ شعر پہلے لفظ کے اختلاف سے تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ میں بھی موجود ہے لیکن پورا قطعہ انساب الاشراف بلاذری کے پہلے صفحہ پر ہے، اس کے آخری شعر کی زبان اتنی فحش ہے کہ اس کو یہاں نقل نہیں کر سکتے لیکن جس طرح یزید کے اشعار نقل کرنے والے ڈاکٹر المنجّد نے اس کو دو الفاظ حذف کر کے لکھا ہے ہم بھی اسی طرح یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ محض ہوائی بات نہ سمجھی جائے وہ شعر یوں ہے

تدخل۔۔۔۔ کله ××× فی۔۔۔۔ غیر بارد

اب ہم ناصبیوں سے جو یزید کو حدیث غزوہ قسطنطنیہ کا مصداق سمجھتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ کیا ایسا شراب خوار اور فحش اشعار کہنے والا "مغفور لہٗ" ہو سکتا ہے!!

یہی نہیں یزید کے لہو و لعب کا ایک مشغلہ اس کا بندر تھا جس کا نام اس نے ابو قیس رکھا تھا، جس کو وہ شراب پلاتا تھا اور پھر اس کی حرکات سے لطف اٹھاتا تھا، اس کو گورخر (Zebra) پر سوار کرتا اور گھوڑوں کے ساتھ اس کی دوڑ لگاتا تھا، ایسی ہی دوڑ (Race) کے بارے میں اس نے ایک قطعہ کہا:

تمسک ابا قیس بفضل عنانها

فلیس علیها ان هلکت ضمان

فقد سبقت خیل الجماعة کلها

وخیل امیر المومنین اتان

ترجمہ: اے ابو قیس اس کی لگام کو اچھی طرح پکڑے رکھو، کیوں کہ اگر گر کر تو ہلاک ہو گیا تو اس کی کوئی ضمانت نہیں، پھر تمام لوگوں کے گھوڑے اور امیر المومنین کے

گھوڑے پر گورخر بازی لے گیا)

اور بلاذری کی پیش کردہ ابوبکر بن عیاش (متوفی ۱۹۳ھ) کی روایت کے مطابق یزید کی وفات بھی گورخر کی دوڑ میں ہوئی، تفصیل یہ ہے کہ یزید نشہ کی حالت میں تھا اس نے اپنے اس بندر ابوقیس کو گورخر پر سوار کیا اس کو دوڑایا اور خود اس کے پہلو بہ پہلو گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑ لگا رہا تھا اور گورخر کا پیچھا کر رہا تھا کہ اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، یزید نیچے گرا، اس کی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا اور اس کی اچانک موت ہوگئی، اور یہ واقعہ شہر حوارین کے صحرائی علاقے میں پیش آیا جو دمشق سے کافی دور مشہور شہر تدمر کے قریب ہے اور جہاں یزید شکار کے لیے اکثر جاتا تھا۔

یزید کی موت کے قصے کے راوی سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے ہم عصر ابوبکر بن عیاش ہیں جن کو یحیی بن معین جیسے ناقد حدیث ورجال نے ثقہ کہا ہے (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء الذھبی ج ۸ ص ۴۹۵)

یزید کی شراب نوشی کا اقرار حافظ ابن کثیر نے بھی کیا ہے انہوں نے البدایہ والنہایہ کی جلد ۸ میں یزید پر کافی تفصیل سے لکھا ہے، یزید کے ہوا خواہ ابن کثیر کے پیش کردہ محمد بن الحنفیہ کے اس قول کو بہت دہراتے ہیں جس میں سیدنا علیؓ کے ان فرزند نے یزید کی شراب نوشی کا انکار کیا ہے، جو ایک منفرد رائے ہے لیکن اس کے مقابلے میں ہم نے بلاذری اور امام ذہبی سے نقل کردہ جو اقوال پیش کیے ہیں، بل کہ خود ابن کثیر نے یزید کی شراب نوشی کے اثبات میں جو متعدد دوسری روایات پیش کی ہیں ان کو یہ محبان یزید بھول جاتے ہیں

خود ابن کثیر کا کہنا ہے: "وَقَدْ كَانَ يَزِيدُ فِيهِ خِصَالٌ مَحْمُودَةٌ مِنَ الْكَرَمِ وَالْحِلْمِ وَالْفَصَاحَةِ وَالشِّعْرِ وَالشَّجَاعَةِ وَحُسْنِ الرَّأْيِ فِي الْمُلْكِ وَكَانَ ذَا جَمَالٍ، حَسَنَ الْمُعَاشَرَةِ وَكَانَ فِيهِ أَيْضًا إِقْبَالٌ عَلَى الشَّهَوَاتِ

وَتَرْكُ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ."

(یزید میں بہت سی عمدہ خصلتیں تھیں، کرم، بردباری، فصاحت، شعر گوئی، شجاعت اور حکومتی امور میں پسندیدہ رائی، خوبصورتی اور دوستانہ رویہ بھی اس میں تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ خواہشات نفس میں بھی اس کا انہماک تھا، اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیتا تھا، اور نمازوں میں تہاون تو اکثر اوقات میں کرتا تھا۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۳۰)

آپ نے دیکھا یہ ابن کثیر وہ ہیں جو یزید کی سخاوت، وفصاحت، شجاعت، شعر گوئی وغیرہ کے مداح ہیں بل کہ اس کے جمال صورت کے بھی ثنا خواں ہیں، وہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ تارک الصلوۃ اور عام طور پر نمازوں میں تہاون کرنے والا تھا اور نفسانی خواہشات (شہوات) کی تکمیل میں انہماک رکھتا تھا شہوات کی تفصیل انہوں نے یہاں بیان نہیں کی دوسری جگہ کی ہے۔ یہ کیا تھیں؟ اس کی طرف وہ اختصار سے پہلے اشارہ کرتے ہیں، کہتے ہیں

"قُلْتُ: يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ أَكْثَرُ مَا نُقِمَ عَلَيْهِ فِي عَمَلِهِ شُرْبُ الْخَمْرِ وَإِتْيَانُ بَعْضِ الْفَوَاحِشِ."

میرا کہنا ہے کہ یزید بن معاویہ کی جس چیز پر سب سے زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا گیا وہ اس کی شراب نوشی اور بعض بدکاریوں کا ارتکاب ہے۔ جلد ۸ صفحہ ۲۳۲)

اس اشارے کے بعد وہ صفحہ ۲۳۵ پر اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ يَزِيدَ كَانَ قَدِ اشْتَهَرَ بِالْمَعَازِفِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَالْغِنَاءِ وَالصَّيْدِ وَاتِّخَاذِ الْغِلْمَانِ وَالْقِيَانِ وَالْكِلَابِ وَالنِّطَاحِ بَيْنَ الْكِبَاشِ وَالدِّبَابِ وَالْقُرُودِ، وَمَا مِنْ يَوْمٍ إِلَّا يُصْبِحُ فِيهِ مَخْمُورًا، وَكَانَ يَشُدُّ الْقِرْدَ عَلَى فَرَسٍ مُسْرَجَةٍ بِحِبَالٍ وَيَسُوقُ بِهِ، وَيُلْبِسُ الْقِرْدَ قَلَانِسَ الذَّهَبِ، وَكَذَلِكَ الْغِلْمَانُ، وَكَانَ يُسَابِقُ بَيْنَ الْخَيْلِ، وَكَانَ إِذَا مَاتَ

الْقِرْدُ حَزِنَ عَلَيْهِ۔

روایت کی جاتی ہے کہ یزید کی شہرت تھی کہ وہ گانے بجانے کے آلات شراب نوشی .گانے ،شکار،نوجوان خدمت کرنے والے لڑکوں (۱) گانے والی کنیزوں ،کتوں اور مینڈھوں ریچھوں اور بندروں کی لڑائی کا شوق رکھتا تھا۔کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ وہ صبح کو شراب سے مخمور نہ اٹھے، بندر کو ڈوریوں سے زین کسے ہوئے گھوڑے پر باندھ دیتا تھا پھر ان کی دوڑ لگاتا تھا (اپنے خاص) بندر کو سونے کی لمبی ٹوپیاں پہناتا تھا اور اسی طرح سے نوجوان خدمت گار لڑکوں کو بھی (ایسی ٹوپیاں پہناتا تھا) گھڑ دوڑ کراتا تھا اور جب اس کا بندر مرجاتا تو اس پر سوگ کرتا تھا

یہ سب لکھنے کے بعد حافظ ابن کثیر نے ''واللہ اعلم بصحتہ'' (اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے یا غلط) کا جملہ تو لکھ دیا ہے لیکن یزید کے ان سارے مذموم افعال واوصاف کا انکار نہیں کیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہی مصنف ہیں جنہوں نے یزید کے کچھ حالات زندگی لکھتے ہوئے اس کا دفاع بھی کیا ہے لیکن انہوں نے یزید کے افعال قبیحہ کی روایت تفصیل سے لکھتے ہوئے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ بل کہ ایسا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ان افعال مذمومہ میں سے بہت سوں کی یزید سے نسبت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے یزید کی مخالفت وموافقت کی

---

(۱) اموی حکمران بن عبد الملک جب خلیفہ بنا تو حاجبوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ:

وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أُدَاوِي أَدْوَاءَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِالسَّيْفِ، وَلَسْتُ بِالْخَلِيفَةِ الْمُسْتَضْعَفِ- يَعْنِي عُثْمَانَ- وَلَا الْخَلِيفَةِ الْمُدَاهِنِ- يَعْنِي مُعَاوِيَةَ- وَلَا الْخَلِيفَةِ الْمَأْبُونِ- يَعْنِي يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ-

میں اس امت کا علاج تلوار سے کروں گا میں حضرت عثمان کی طرح کمزور اور معاویہؓ کی طرح مکار اور چالاک نہیں ہوں اور نہ یزید بن معاویہ کی طرح ''مفعول'' (catamite) خلیفہ ہوں (البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۶۴) اب ترجمہ میں یہ پورا خطبہ حذف کر دیا گیا ہے (طبع دار الفکر بیروت)

بہت سی روایات کے لکھنے کے بعد یزید کے فسق کا فیصلہ فرمایا ہے وہ یزید کی زندیقیت (کفر) کا انکار کرتے اور اس کو شیعہ کی طرف سے ایک اتہام قرار دیتے ہوئے اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بل کان فاسقا" (بل کہ وہ (یزید) فاسق تھا (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸ ص ۲۳۲)

اب حدیث قسطنطنیہ کو یزید پر چسپاں کرنے والے اور اس کو "مغفورلہ" (مغفرت شدہ) قرار دینے والے بتائیں کہ کس صحیح حدیث میں کسی فاسق کو مغفورلہ قرار دیا گیا ہے؟

یزید کی شراب نوشی اور لہو ولعب کی تصدیق مستند روایات اور خود اس کے اپنے اشعار سے ہو چکی ہے، اس لیے کسی طرح حدیث قسطنطنیہ کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

یزید کی شراب نوشی سے متعلق حافظ ابن کثیر نے محدث امام طبرانی کی ایک روایت نقل کی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یزید کی نصیحت میں کچھ اشعار نقل کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے والد کو اس کی شراب نوشی کا علم تھا اور انہوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ وہ یہ شغل رات کو چھپ کر کر لیا کرے (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۸)

حافظ ابن کثیر نے طبرانی کی یہ روایت اور اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وقلت: هذا كما جاء في الحديث: "من ابتلى بشئ من هذه القاذورات فليستتر بستر الله عز و جل" (اور میرا کہنا ہے کہ یہ بات اس حدیث کے مطابق ہے جس میں ہے، جو کوئی ان میں سے کسی گندی بات میں مبتلا ہو اس کو چاہیے کہ اللہ کے پردے میں اسے چھپا کر کرے" یعنی رات کے وقت کرے جب قدرت اندھیرے کا پردہ ڈال دیتی ہے۔

ان اشعار اور ان میں پیش کردہ مشورے سے تو حضرت معاویہ پر بھی زد پڑتی ہے مگر حیرت کا مقام ہے کہ ابن کثیر جیسے ثقہ مورخ نے اس روایت کو موضوع (جھوٹ) نہیں کہا ہے۔

اور یہی روایت کسی قدر تفصیل اور یزید کے اپنے والد کو چیلنج کرتے ہوئے دو اشعار کے ساتھ مشہور عام کتاب تنبیہ الغافلین کے مصنف اور حنفی فقیہ الامام ابواللیث السمر قندی (متوفی ۳۷۵ھ) نے اپنی دوسری کتاب بستان العارفین میں اور ساتویں صدی ہجری کے مشہور مصنف ابن شاکر الکتبی نے اپنی کتاب ''فوات الوفیات'' میں ذکر کی ہے جس کا حوالہ دمشق کے ایک مصنف و محقق اور دمشق کی سرکاری اکیڈمی المجمع العلمی العربی کے ممبر عبداللہ المخلص (متوفی ۱۹۴۷ء) نے المجمع کے سہ ماہی المجلہ میں کیا ہے۔(۱)

ہر چند کہ یہ روایت اور اشعار امام طبرانی کے ہیں لیکن ان کی نسبت حضرت معاویہ کی طرف محل نظر ہے، اور ابن شاکر الکتبی اور صاحب بستان العارفین کی روایت تو جس طرح اس کے ناقل ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کے نزدیک موضوع ہے ہمارے نزدیک بھی موضوع ہے۔

بہر حال یزید کی شاعری کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا اور شاعر بھی جس کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے، الم تر انھم فی کل وادیھیمون (تم دیکھتے نہیں کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔) سورۃ الشعراء آیت ۲۲۵)

کسی صاحب کو اس بارے میں کوئی شک ہو تو وہ بہت مشہور قدیم مصنف ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان پڑھ لیں۔ وہ اس کتاب میں مورخ ادب مرزبانی کی سوانح حیات میں قاضی ابن خلکان کا یہ بیان پڑھیں گے کہ ''میں نے ۶۳۳ھ میں یزید کا پورا دیوان

۱۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد: ''شعر یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان''، ص ۵۳۔ عبداللہ المخلص نے بستان العارفین کے مصنف کا پورا نام نہیں لکھا ہے۔ بل کہ صرف ''الشامی'' لکھا ہے مگر بستان العارفین جو مشہور ہے اور ڈیڑھ سو سال سے چھپ رہی ہے اس کے مصنف ابواللیث سمرقندی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ''الشامی'' سہو کاتب ہو یا پھر کوئی غیر معروف مصنف ہیں۔

حفظ کرلیا تھا۔۔۔اور یزید کے اشعار کم ہونے کے باوجود انتہائی عمدہ ہیں" (وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، طبع دار الثقافہ، بیروت، ج ۴ ص ۳۵۴، ترجمہ رقم ۶۴۷)

اس کے بعد ابن خلکان نے یزید کے کچھ شعر نقل کیے ہیں

نام نہاد حدیث قسطنطنیہ کی حقیقت

۲۔ یہ سب کچھ تو یزید کی زندگی کے ایک پہلو شراب نوشی، آزادروی اور شعر گوئی سے متعلق تھا اور اس کے مطالعے کی بنا پر ایک مصنف اور غیر جانبدار شخص کہہ سکتا ہے کہ مغفرت سے متعلق حدیث قسطنطنیہ کا اطلاق اس پر کسی صورت میں نہیں ہوسکتا، بہرحال اب ہم یزید کی غزوۂ قسطنطنیہ میں نام نہاد شرکت کی حقیقت پر روشنی ڈالنے اور اس کا ناقدانہ تجزیہ کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کی جس حدیث کو یزید کی بشارت مغفرت کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس میں نہ غزوۂ قسطنطنیہ کا ذکر ہے، اور نہ یزید کی مغفرت کی اس کے نام کے ساتھ مطلقاً کوئی بشارت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری میں یہ حدیث صحابیہ حضرت ام حرام بنت ملحان شہیدۃ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کتاب الجھاد اور کتاب الاستئذان میں چھ مرتبہ آئی ہے۔ کتاب الجھاد میں پانچ مرتبہ، اور کتاب الاستئذان میں ایک مرتبہ۔ان ابواب کا ذکر کتاب ھذا کے ایک مقالے کی تقدیم میں ہے۔قابل ذکر و لائق غور بات یہ ہے کہ ان چھ مقامات پر مختلف پیرایہ ہائے بیان میں مذکور اس حدیث میں سمندر میں امت مسلمہ کے دو غزوات یا حملات کا ذکر ہے، جب کہ صرف ایک حدیث یعنی پانچویں حدیث باب "باب ماقیل فی قتال الروم" میں "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" کا اضافہ ہے

۔اور یہ حدیث عمیر بن الاسود نے حضرت ام حرام سے روایت کی ہے ان عمیر بن الاسود کے نام میں بھی اختلاف ہے، ان کو عمرو بن الاسد بھی کہا گیا ہے، حافظ ابن حجر نے ان کا ''الاصابۃ'' میں ذکر تو کیا ہے، لیکن ان کے صحابی ہونے کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے، یہ شام کے رہنے والے تھے اور حضرت معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔

اس کے برخلاف دیگر پانچ احادیث جو مشہور معروف صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں ان میں مطلقا ''اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم'' نہیں (میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کریں گے ان کی مغفرت کر دی گئی ہے)

اس کے پیش نظر سید لعل شاہ بخاری کی بات بالکل درست ہے کہ یہ صحابیہ رسول اللہ کا قول نہیں بل کہ عمیر بن الاسود کی طرف سے اضافہ ہے یہ بھی یاد رہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ام حرامؓ کے بھانجے تھے، اس لیے ان سے زیادہ قریب تھے اور ان کی بات زیادہ لائق اعتبار ہے، یعنی یہ کہ ان سے مروی پانچ احادیث میں صرف سمندر میں امتیوں کے سفر یا ان کے سمندری غزوات کا ذکر ہے، اور یزید کسی سمندری غزوہ میں شریک نہیں تھا اس لیے اس کی بشارت مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ مسئلہ کم از کم حدیث نبوی کی حد تک یہیں ختم ہو جاتا اگر محدثین و دیگر مصنفین اولین غزوۂ قسطنطنیہ اور اس میں یزید کی شرکت پر بحث نہ کرتے۔ اس سلسلے میں یزید کو اس غزوۂ قسطنطنیہ کا قائد و ہیرو بنانا بقول حافظ ابن حجر اندلس میں شہر مالقہ کے ایک قاضی مہلب بن ابی صفرہ بن اسید المری کا کام ہے۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (جلد ۱۷) میں ان کی وفات ۶۳۰ھ لکھی ہے لیکن ابن بشکوال اندلس (متوفی ۵۷۸ھ) نے اسماء الرجال کی اپنی ''کتاب الصلۃ'' میں ان کی وفات ۴۳۶ھ یا ۴۳۵ھ دی ہے۔ یعنی پانچویں صدی ہجری

کے آدمی ہیں جب اندلس میں اموی حکومت قائم تھی لیکن ابن بشکوال اور دیگر اندلسی مورخین رجال نے ان کی کسی امتیازی شان کا ذکر نہیں کیا ہے بس اتنا ہے کہ انہوں نے بخاری کی ایک شرح لکھی تھی جس میں "قتال للروم" کا اولین ہیرو یزید کو بنا کر اس کو بشارت مغفرت کا مستحق بنا دیا گیا شاید وہ اندلس کی اموی حکومت کو خوش کرنا چاہتے ہوں۔

اب جہاں تک رومیوں کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں گرمائی و سرمائی یا بری و بحری حملوں (الصوافی والشواتی) کا معاملہ ہے تو قدیم مورخ الیعقوبی (۲۹۲ھ) نے اپنی تاریخ میں سنہ وار ان کی تفصیل بتائی ہے، اور سنہ ۴۳ھ سے ۵۹ھ تک تمام صوافی و شواتی (گرمائی و سرمائی حملوں) کا ذکر کیا ہے اور ان حملوں کے سالاروں کا بھی۔ یہ سب یعقوبی نے یک جا جمع کر دیے ہیں (۲/۲۳۹_۲۴۰)۔ پہلا حملہ یعقوبی اور طبری کے مطابق حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید کی قیادت میں ۴۴ھ میں ہوا۔ یعقوبی نے جو ۴۳ھ میں پہلا حملہ لکھا ہے وہ واقدی کی روایت ہے جس کو امام طبری نے رد کیا ہے، یہ نام نہاد حملہ سرمائی (شاتیہ) تھا جو سمندری بھی کہلاتا ہے، کیوں کہ موسم سرما کے حملے بحری ہوتے تھے کہ بلاد روم (موجودہ ترکی) میں سخت سردی کے باعث موسم سرما میں حملہ کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ امام طبری نے واقدی کی روایت کے مطابق بسر بن ابی ارطاۃ کے سرمائی بحری حملے کے بارے میں کہا ہے:

وقد انکر ذالك قوم من اهل الاخبار، فقالوا: لم يكن بسر بن ابی ارطاة بارض الروم شتی قط

مورخین کے ایک گروہ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ بسر نے کبھی بلاد الروم میں کوئی سرمائی حملہ نہیں کیا (تاریخ طبری ۵/۱۸۱، حوادث سنہ ۴۳ھ)

یعقوبی و طبری سے پہلے خلیفہ بن خیاط (متوفی ۲۴۰ھ) نے بھی اپنی سنین پر مرتب

کردہ تاریخ میں بھی ان سرمائی اور گرمائی حملوں اور ان کے سالاروں کا ذکر کیا ہے، ان کے ناموں میں کچھ اختلاف ہے، لیکن سنہ ۴۴ھ اور ۴۵ھ کے بارے میں یہ تینوں متفق ہیں کہ یہ حملہ عبدالرحمن بن خالد بن الولیدؓ کے قیادت میں ہوا۔ اس طرح پہلے حملے کے سالار حضرت خالد بن الولید کے بیٹے عبدالرحمن بن خالد تھے، جن کو شامی حکومت کے اشارے پر ان کی شام میں مقبولیت کے پیش نظر ایک عیسائی ابن اُثال نے زہر دے کر حمص میں قتل کر دیا تھا، ان کو حکومت کی طرف سے قتل کرایا گیا تھا۔

جہاں تک یزید کے حملے کا معاملہ ہے تو پہلی بات تو یہ کہ یہ صائفہ (گرمائی حملہ) تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس کی تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ ابن الاثیر نے اپنی الکامل فی التاریخ میں یہ حملہ ۴۸ھ یا ۴۹ھ لکھا ہے، طبری نے ۴۹ھ لکھا ہے اور خلیفہ بن خیاط نے سنہ ۵۰ھ میں لکھا ہے جب کہ یعقوبی کے یہاں دو روایتیں ہیں سنہ ۵۶ھ اور طبری کی طرح ۴۹ھ۔ امام ذہبی نے اپنی تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام میں غزوہ قسطنطنیہ سنہ ۵۰ھ میں لکھا ہے اور یزید کو امیر الجیش اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

وممن کان معہ ابو ایوب الانصاری

(اور اس کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں حضرت ابو ایوب الانصاری بھی تھے۔ جلد، عہد معاویہ ص ۲۱)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام بخاری کے استاذ (جن سے صحیح بخاری میں چار احادیث مروی ہیں) خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ (ص ۲۱۱) میں سنہ ۵۰ھ کے حوادث میں یزید کے غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے نہ تو مدینۃ قیصر لکھا ہے اور نہ القسطنطنیہ بل کہ صرف اتنا لکھا ہے: "وفیھا غزا یزید ارض الروم ومعہ ابو ایوب الانصاری" (اور اس سال (۵۰ھ) یزید نے ارض روم میں یا رومی سرزمین میں غزوہ کیا اور اس کے ساتھ ابو ایوب

الانصاری بھی تھے۔)

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۳۲) میں سنہ ۴۹ کے عنوان کے بعد سب سے پہلے لکھا ہے "وفیھا غزا یزید بن معاویہ بلاد الروم حتی بلغ القسطنطنیہ۔۔۔و قد ثبت فی صحیح البخاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فکان ھذا الجیش اول من غزاھا" (اور اس سال (۴۹ھ) یزید بن معاویہ نے رومی مملکت کے خلاف غزوہ کیا یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔۔۔اور صحیح بخاری سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا لشکر جو شہر قیصر پر چڑھائی کریں گے وہ مغفور ہیں۔ تو یہ لشکر وہ پہلا لشکر تھا جس نے اس پر چڑھائی کی تھی)

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ نہ تو خلیفہ بن خیاط نے یہ لکھا ہے کہ یزید کا حملہ رومی سرزمین پر پہلا حملہ تھا اور نہ یہ کہ حدیث میں پہلے حملہ آور لشکر کو مغفور کہا گیا ہے، اور نہ امام طبری نے ایسی کوئی بات کہی ہے اور نہ امام ذہبی نے اور دیگر مورخین کا تو ذکر ہی کیا۔ یہ سب سے پہلے شخص حافظ ابن کثیر ہیں (۱) جنہوں نے بخاری کی پانچ احادیث کے مقابلے میں صرف ایک حدیث کا جوڑ یزید کے حملے سے ملا دیا ہے۔ اور اس کو اس حدیث کا مصداق یعنی "مغفور لہ" قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کے اس غیر محققانہ قول کو عام مولوی عموما اور یزید کے ثناخوان ناصبی مصنفین لے اڑے ہیں۔ یہ ان کی کور ذوقی ہے کہ خلیفہ بن خیاط، طبری، ذہبی وغیرہ جیسے قدیم و ثقہ مورخین کے قول پر توجہ نہیں دیتے اور آٹھویں صدی ہجری کے ایک مصنف کی رائے کو انہوں نے گویا قرآن و حدیث کی بات سمجھ لیا ہے۔

اور اس موقعہ پر ابن کثیر کا تناقض دیکھا جائے کہ وہ تمام مورخین کی طرح کہتے ہیں

۱۔ حافظ ابن کثیر دمشقی ہونے کے ناطے بنو امیہ کے زبردست طرف دار تھے۔ (مہر حسین)

کہ اس غزوہ میں بعض دوسرے صغار صحابہ کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی شریک تھے، لیکن دو تین سطروں کے بعد ہی ان جلیل القدر صحابی کی وفات کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ "اسی (۴۹ھ) سال ہوئی۔ اور اس کے فوراً بعد کہتے ہیں: اور کہا گیا ہے کہ اس غزوہ میں انہوں نے انتقال نہیں کیا بلکہ سنہ ۵۱ھ، یا ۵۲ھ یا ۵۳ھ میں انتقال کیا۔

اور پھر آگے چل کر سنہ ۵۲ھ کے حوادث کے ذکر میں وہ صفحہ ۵۸ پر حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات پر کافی تفصیل سے کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَكَانَتْ وَفَاتُهُ بِبِلَادِ الرُّومِ قَرِيبًا مِنْ سُورِ قُسْطَنْطِينِيَّةَ مِنْ هَٰذِهِ السَّنَةِ، وَقِيلَ فِي الَّتِي قَبْلَهَا، وَقِيلَ فی التی بعدها. وَكَانَ فِي جَيْشِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ

اور ان کی وفات رومی سرزمین میں قسطنطنیہ کے قریب اس سال (۵۲ھ) ہوئی اور کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے سال میں ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کے سال میں ہوئی)

اس طرح صفحہ ۳۳ پر ان کا سال وفات ۴۹ھ لکھنے کے بعد اب ۵۲ھ لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ۵۱ھ اور ۵۲ھ کی تاریخ بھی دیتے ہیں اور یہاں ۴۹ھ کا بالکل ذکر نہیں کرتے اس کے ساتھ ساتھ وہ دونوں جگہ یہ ضرور ذکر کرتے ہیں کہ یزید کے غزوہ کے موقعہ پر ان کا انتقال ہوا۔ اور اس بات پر تقریباً سارے ہی قدیم و جدید مصنفین و محققین متفق ہیں کہ ان کی وفات اسی غزوہ کے موقعہ پر ہوئی، ان کی وفات پیچش سے کیمپ میں ہوئی تھی لیکن ان کی وصیت کے مطابق ان کو کافی آگے لے جا کر قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب دفن کیا گیا۔ یہ مقدس قبر رومی (بیزنطی) اور اسلامی دور میں محفوظ رہی اور آج بھی زیارت گہ خاص و عام ہے۔ یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کے فتح ہونے کے

بعد سے پانچ سو سال تک عثمانی ترکی سلاطین کی تقریب تخت نشینی کی رسم (سلطان کی کمر میں شمشیر بندی) احتراماً یہیں ادا کی جاتی تھی۔

لیکن اب چوں کہ ابن کثیر نے بہت دوسرے مورخین کی طرح حضرت ابوایوبؓ کی وفات ترجیحاً ۵۲ھ لکھی ہے تو اس طرح یزید کا یہ غزوہ مزعومہ گویا ۵۲ھ ہی میں پیش آیا اور اس صورت میں یہ رومیوں یا قسطنطنیہ کے خلاف پہلا حملہ نہیں تھا، بل کہ اس سے پہلے ۴۳ھ سے یہ حملے جاری تھے۔ جیسا کہ پہلے ہم نے یعقوبی کے حوالے سے لکھا ہے۔

قدیم ترین مصنف ابن سعد (متوفیٰ ۲۳۰ھ) نے اپنی طبقات میں حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ۵۲ھ میں لکھی ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ وہ سال تھا جب یزید نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تھا۔ ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ میں ان کی یہ تاریخ وفات دی ہے، ساتھ ہی اس سے قبل ۴۹ھ بھی۔ حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (۴۰۵/۱) میں تین تاریخیں ۵۰ھ، ۵۱ھ اور ۵۲ھ ذکر کی ہیں اور سنہ ۵۲ھ دینے کے بعد کہا ہے "وھو الاکثر" (زیادہ تر یہی سال وفات کہا جاتا ہے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے محدث و مورخ ابوزرعہ الدمشقی کے حوالے سے یزید کے غزوہ قسطنطنیہ کی ایک تاریخ ۵۵ھ دی ہے۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۴۱۲/۲) میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی سوانح میں ان کی وفات یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ ۵۵ھ میں بھی ذکر کی ہے، لیکن انہوں نے دو قدیم تر حوالوں سے ان کی وفات ترجیحاً ۵۲ھ میں ہی دی ہے۔ واقدی کے ساتھ اس میں دوسرا حوالہ امام بخاری کے استاد یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کا ہے۔

پوری تاریخ چھان لیجیے یزید کے غزوہ قسطنطنیہ کا یقینی سال نہیں معلوم، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ اس غزوہ کے موقعہ پر حضرت ابوایوب انصاری کی وفات مرض

اسہال سے ہوئی اور ان کو ان کی وصیت مطابق رات کے اندھیرے میں قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب دفن کیا گیا اور ان کا سنہ وفات علی الارجح ۵۲ ھ ہجری ہے۔ اسی طرح یزید کا یہ غزوہ "اول جیش یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" کا مصداق کسی طرح نہیں۔

پھر یزید کے اس مزعومہ غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کی نوعیت کیا ہے؟ یہ ابھی ایک اہم قابل بحث بات ہے چلیے ہم فرض کر لیتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے کہ یہ اولین غزوۂ قسطنطنیہ تھا اور یزید کی امارت میں تھا۔ لیکن اس کی حقیقت اور تفاصیل پر بھی تو غور کیا جائے جس کو محبان یزید چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اہل سنت شیعہ دشمنی میں اس سے صرف نظر کرتے ہیں، وہ حقیقت یہ ہے۔

شامی مورخ اہل سنت ابن الاثیر اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں ۴۹ ھ کے حوادث میں غزوۂ قسطنطنیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سال اور کہا گیا ہے کہ سنہ ۵۰ ھ میں حضرت معاویہ نے ایک بڑی فوج سفیان بن عوف کی قیادت میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کی اور اپنے بیٹے یزید کو اس فوج کا امیر بنایا۔ لیکن اس نے سستی دکھائی اور بیمار بن گیا اس پر باپ نے صبر کیا اور اس سے تعرض نہیں کیا پھر لوگوں کو اس حملے میں بھوک اور سخت بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر یزید نے ایک قطعہ کہا:

مَا إِنْ أُبَالِي بِمَا لَاقَتْ جُمُوعُهُمْ

بِالْغَزْقَذُونَةِ مِنْ حُمَّى وَمِنْ مُومِ

إِذَا اتَّكَأْتُ عَلَى الْأَنْمَاطِ مُرْتَفِقًا

بِـدَيْرِ مُـرَّانَ عِنْدِي أُمُّ كُلْثُومِ

(ترجمہ: مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں کہ ان (مجاھدین) کے لوگوں کو فرقدونہ میں کن چیزوں کا سامنا کرنا پڑا بخار ہو خواہ چیچک، جبکہ میں دیر مران میں آرام دہ گدوں پر

لیٹا ہوں اور ام کلثوم میرے ساتھ ہے)

یہ ام کلثوم اس کی بیوی تھی۔۔۔معاویہؓ کو جب ان اشعار کی اطلاع ملی تو انہوں نے قسم کھائی کہ یزید کو رومیوں کے علاقے میں جانا پڑے گا تاکہ جس مصیبت میں وہاں سب لوگ ہیں اس کو بھی اس کا سامنا کرنا پڑے۔

یہ روایت اور اشعار ابن الاثیر کے ہم عصر ایک دوسرے مؤرخ، ادیب اور جغرافیہ نویس علامہ و محقق یاقوت حموی نے محدث طبرانی کے حوالے سے مورخ شام ابوزرعہ دمشقی (۲۸۰ھ) کے ذریعہ قدیم محدث و مؤرخ ابومسہر سے (متوفی ۲۱۸ھ) نقل کیے ہیں جن کو امام ذہبی سیر اعلام النبلاء (جلد ۱۰/۲۸۸۔۲۳۸) میں شیخ الشام کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور جو امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین جیسے محدثین کے استاد اور المامون جیسے جابر عباسی خلیفہ کے سامنے حق بات کہنے والے تھے۔ یاقوت نے ان سے یہی اشعار اپنی عظیم کتاب معجم البلدان میں (ج ۲ ص ۵۳۴) مادہ "دیر مران" میں ذکر کیے ہیں۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ، ابومسہر کہتے ہیں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا "لا جرم یلتحق بھم، ویصیبہ ما اصابھم والا خلعتہ، فتھیا للرحیل" (ضروری ہے کہ وہ (یزید) بھی ان سے جا کر ملے اور اس کو بھی وہی سب کچھ دیکھنا پڑے جو ان کو پیش آیا ورنہ میں اس کو ولی عہدی سے معزول کر دوں گا۔ تب وہ وہاں سے غزوہ پر کوچ کے لیے تیار ہوا (یاقوت معجم البلدان ج ۲ ص ۵۳۳۔۵۳۴)

ابومسہر جیسے ثقہ محدث و مورخ کی اس روایت سے یہ بات تو یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ یزید غزوۂ قسطنطنیہ پر جانے کے بجائے سیر و تفریح اور عیش و عشرت کے ایک مقام "دیر مُراّن" میں اپنی محبوب بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا، اس کو اس کی بالکل فکر نہ تھی کہ مجاہدین کا لشکر جو رومیوں کی سرزمین فرقدونہ (بلاذری کی انساب الاشراف میں فرقدونہ ہے، اس کو خلقدونہ بھی کہا

جاتا ہے، مقامی رومی یا صحیح طور پر یونانی زبان میں اس کا نام کپڈ وچیا (Capaduchia ہے) میں کیمپ کیسے ہوئے کس برے حال میں تھا وہ (یزید) جہاد کی نیت سے نہیں گیا تھا، اور قسطنطنیہ کی طرف جانے کے لیے مجاہدین سے جا کرتب ملا جب اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دھمکی دی کہ وہ اگر اس جہاد پر نہیں گیا تو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے گا۔

اب یہ ضروری ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دیر مران کیا جگہ ہے؟ اور ہے کہاں؟ یاقوت کے سوا کسی نے اس کے محل وقوع کو تفصیل سے بیان نہیں کیا ہے۔ یاقوت نے اسلامی جغرافیہ کی اپنی عظیم کتاب معجم البلدان (پانچ جلدیں۔ دار احیاء التراث، بیروت ۱۹۷۹ء) کی دوسری جلد میں مادہ "دیر" میں ایک پورے صفحہ (۵۳۳۔ ۵۳۴) پر اس کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دمشق سے ملحق غوطہ کے سرسبز و شاداب تفریحی مقام سے ذرا بلندی پر شہری ہنگامہ سے دور محض نام کی ایک راہبوں اور راھبات کی جگہ تھی لیکن درحقیقت عیش پسند اور شراب کے رسیا یہاں آکر اچھا وقت گذارتے تھے۔ یاقوت کے بقول دیر مران ایک اونچے ٹیلے پر جس کے نیچے زعفران کے کھیت اور خوبصورت باغات پھیلے ہوئے تھے واقع تھا۔ اس کی عمارت پتھر کی اینٹوں کی تھی اور فرش پر رنگین ٹائلز لگے ہوئے تھے، اس کے چاروں طرف درخت لگے ہوئے تھے" پھر یاقوت نے اس کی دیر کی تعریف میں بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔

یہ ہے یزید کے جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی حقیقت کہ دیگر تمام مجاہدین دمشق سے ڈیڑھ دو ہزار کیلومیٹر دور پہنچ چکے ہوں اور وہاں بھوک اور بیماری میں مبتلا ہوں اور یزید دمشق کے پاس ایک دیر میں بیٹھا داد عیش دے رہا تھا اور اس پر فخر کر رہا تھا۔

ہم نے دیر مران کی قدرے تفصیل اس لیے دی ہے کہ ناواقف لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ دیر تو عیسائی راہبوں کی ایک خانقاہ ہوتی ہے۔ جہاں عبادت کا ماحول ہوتا ہے، وہاں عیش و عشرت کا کیا وجود؟ عیسائیت کی ابتدا میں چار پانچ سو برسوں تک تو ضرور ایسا تھا لیکن بعد میں

پھر اموی و عباسی دور میں عراق، شام، فلسطین، لبنان اور کسی حد تک مصر میں بھی شہروں سے باہر صحرا یا پہاڑیوں اور باغات میں ہونے کے سبب یہ دیر عیاشی اور بدکار مسلمانوں اور خاص طور پر شاعروں کے گڑھ تھے، جہاں ان کو شراب ملتی تھی اور عیسائی خوبصورت عورتیں بھی مہیا تھیں، جس کسی کو ان دیارات (جمع دیر) کی حقیقت معلوم کرنا ہو وہ شابشتی (وفات ۳۸۸ھ) کی مشہور مطبوع کتاب "الدیارات" کا مطالعہ کرے۔ یاقوت (متوفی ۶۲۴ھ) نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ۴۸ صفحات میں بیسیوں دیارات کا ذکر کیا ہے۔

یزید اور ان کے دو اشعار کے متعلق شک نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ اکثر قدیم تصنیفات میں پائے جاتے ہیں جیسے "نسب قریش از مصعب الزبیری (وفات ۲۳۶ھ)۔ انساب الاشراف بلاذری (وفات ۲۷۹ھ) میں سب سے پہلے یہ اشعار میں نے اسی کتاب میں تقریباً بیس سال پہلے دیکھے تھے اور یہ کتاب چوں کہ بہت پہلے القدس میں چھپی تھی آسانی سے دستیاب نہیں۔ میں اس زمانے میں کراچی یونی ورسٹی میں ریسرچ پروفیسر تھا تو مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب نے وہاں سے یہ کتاب مجھ سے مستعار منگوا کر مطالعہ کی تھی۔ بلاذری میں یہ دونوں شعر مختلف ترتیب اور قدرے مختلف الفاظ سے آئے ہیں لیکن سب کا عام بنیادی مفہوم ایک ہی ہے۔ انساب الاشراف (جلد ۴، ص ۳) میں ہے

إذا أتكأت على الأنماط في غرف

بدير مران عندي أم كلثوم

فلا أبالي بما لاقت جموعهم

بالفرقذونة من حمى ومن موم

اس کے بعد بلاذری جو لکھتا ہے اس کا ترجمہ ہے "کچھ لوگ جہاد پر گئے ہوئے تھے ان کو وبا، بیماری اور بھوک کا سامنا کرنا پڑا، جب حضرت معاویہ کو اس کے شعر پہنچے تو

انہوں نے کہا قسم بخدا اس کو غزوہ پر جانا پڑے گا خواہ وہ رومیوں کی حدود میں مر ہی جائے۔ تو انہوں نے اس کو جہاد پر بھجوایا، اس کے ساتھ انطاکیہ اور بعلبک کے غیر مسلم وغیرہ بھی گئے تھے۔ پھر اس کے بعد بلاذری نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو مسلمان لشکر پہلے سے وہاں موجود تھا اس کی قیادت صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سفیان بن عوف کر رہے تھے بلاذری کہتا ہے کہ "فلحق بسفیان بن عوف بالقرقذونة فغزا حتی بلغ الخلیج ثم انصرف" (تو وہ (یزید) سفیان بن عوف سے فرقذونہ (خلقدونہ) میں جا ملا یہاں تک کہ وہ خلیج یعنی خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا پھر واپس ہوگیا۔) اس کے بعد یزید نے اپنے والد سے ناراض ہو کر ایک قطعہ ان کو لکھا تھا جو ابومسہر کی روایت سے معجم البلدان یاقوت (مادہ دیر مران) میں موجود ہے اور ایک اور قدیم راوی کی روایت سے دیوان یزید میں موجود ہے (صفحہ نمبر ۱۵)

ان سب باتوں کے پیش نظر یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یزید اپنی مرضی اور خوش دلی سے اس غزوہ پر نہیں گیا تھا بلکہ والد نے مجبور کیا تب گیا۔ اور بخاری کی مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات کے مطابق اعمال کا ثواب نیت کی بنیاد پر ملتا ہے تو جب اس کی اس غزوہ پر جانے کی نیت ہی نہیں تھی تو بالجبر جانے سے وہ کیسے مغفرت کی بشارت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

پھر ایک اہم غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام کے اولین عہد۔ عہد نبوی میں اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں جو غزوات: احد، خندق، حنین برپا ہوئے اور خاص طور پر غزوۂ احزاب یا خندق جب دس ہزار کفار قریش اور ان کے حلفاء و غطفان مدینہ منورہ پر امڈ آئے تھے اور اس غزوہ کی قرآنی منظر کشی کے مطابق آنکھوں کی ٹکٹکی بندھ گئی تھی اور کلیجے منہ کو آ گئے اور لوگ اللہ سے بدگمان ہونے لگے تھے، اس وقت اہل ایمان کو ہلا کر رکھ دیا گیا اور ان پر سخت زلزلہ طاری کر دیا گیا

تھا (وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا (10) هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (11) (الاحزاب)

ایسے انتہائی اہم غزوہ میں شرکت کرنے والوں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی خاص بشارت نہیں دی تو پھر اس غزوہ قسطنطنیہ کے لیے جانے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں یقینی مغفرت کی بشارت کیوں اور کیسے دے سکتے ہیں؟

اس وقت جزیرہ عرب میں بیٹھے اور پورے شام، فلسطین، عراق اور مصر پر قابض مسلمانوں اور اسلام کو رومیوں سے کون سا ایسا خطرہ درپیش تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مدینہ قیصر" پر حملہ کرنے والوں کو عام مغفرت کی بشارت دیتے حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ مرحوم محدث و مصنف مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری نے ثابت کیا ہے اس تنہا حدیث میں جملہ "اول جیش یغزون مدینة قیصر مغفور لهم" شامی راوی عمر بن الاسود کا اپنا تصرف ہے اور اسی لیے امام بخاری نے بھی ترجمۃ الباب (عنوان باب) میں مشکوک طریقہ سے رومیوں سے غزوہ کا ذکر کیا ہے (باب ما قیل فی قتال الروم) اور پھر یہ غزوہ تھا لاحاصل اور بے نتیجہ۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ اس غزوہ قسطنطنیہ کا قائد بھی حضرت معاویہؓ نے سفیان بن عوف کو بنایا تھا ان کے بارے میں حافظ ابن حجر الاصابۃ (۵۶/۲) میں کہتے ہیں

واستعمل معاوية سفيان بن عوف على الصّوائف وكان يعظمه، سار بأرض الرّوم، فأغار على باب الذّهب، حتى خرج أهل القسطنطنية.

حضرت معاویہ نے حضرت سفیان بن عوف کو موسم گرما کے غزوات کا سالار بنایا وہ رومی حدود میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے قسطنطنیہ کے دروازہ زریں

(Golden Gate) پر حملہ کیا حتی کہ قسطنطنیہ کے کچھ لوگ دروازے کے باہر آگئے) یہ غالبا کچھ پادری تھے پھر ابن حجر نے ان کی طرف سے ایک مکالمہ لکھا ہے کہ ہماری کتابوں میں تو یہ ہے کہ "تم مسلمان قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ اب معلوم نہیں تم نے حساب میں کچھ غلطی کی ہے یا تم وقت سے پہلے حملہ کر بیٹھے ہو"

یاقوت نے اپنی معجم البلدان (۳۴۷/۴) میں قسطنطنیہ کے باب الذھب کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوہے کا ہے اور اس پر سونے کا ملمع ہے

بلاذری طبری، ابن الاثیر، امام ذہبی، یعقوبی وغیرہ سبھی مورخین کہتے ہیں کہ سفیان بن عوف ۵۲ھ کے صائفہ (گرمائی حملہ) کے سالار تھے، اور ترجیحا یہی وہ سال ہے جس سال حضرت ابوایوب انصاری کی قسطنطنیہ کی فصیل سے کچھ ہی فاصلے پر ان کی وفات ہوئی۔

۳۔ اس سب سے قطع نظر کرتے ہوئے جب ہم بخاری کی ان چھ احادیث پر غور کرتے ہیں جو رومیوں کے خلاف جہاد سے متعلق کتاب الجہاد اور کتاب الاستئذان (۵ احادیث کتاب الجہاد میں اور ایک کتاب الاستئذان میں) میں ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ سب احادیث سمندر میں جہاد سے متعلق ہیں اور ان تمام احادیث کی آخری راویہ شہید صحابیہ حضرت ام حرام بنت ملحان بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں دوپہر کو تھوڑی سی نیند کے بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اور جب وہ صحابیہ، زوجہ عبادہ بن الصامت اس مسکراہٹ کا سبب پوچھتی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ناس من امتی عرضوا علی غزاة فی سبیل اللہ یرکبون ثبج ھذا البحر ملوکا علی الاسرة او مثل الملوک علی الاسرة (میری امت کے کچھ لوگ (خواب میں) اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اس طرح دکھائے گئے کہ وہ کھلے سمندر میں جہازوں پر ایسے سوار ہیں جیسے وہ بادشاہ ہوں اور اپنے تخت پر سوار ہوں یا یہ فرمایا کہ بادشاہوں کی طرح تخت پر سوار

سمندر میں چلے جارہے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر انہوں نے درخواست کی کہ "دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی کہ تم ان خوش نصیبوں میں سے ہوگی۔

دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی اور پھر آپ پہلے کی طرح ہنستے ہوئے بیدار ہوئے اور پھر ام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ویسا ہی جواب دیا اب ام حرامؓ نے دوبارہ درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "انت من الاولین" یعنی تم بس پہلے لوگوں میں ہوگی۔ گویا ایک طرح سے شہادت کی بشارت دی، اس شہادت کی بشارت کی خبر امام بخاری نے اس حدیث کے پہلے دو تراجم ابواب (عناوین ابواب) میں دی ہے یعنی باب الدعاء والشھادۃ للرجال والنساء" باب نمبر ۳ (فتح الباری) پھر دوبارہ باب نمبر ا "فضل من یصرع فی سبیل اللہ فمات فھو منھم" اور ان چھ احادیث کی شرح اور تاریخ سے ثابت ہے کہ شہید ہونے والی حضرت ام حرام ہی تھیں جو فتح قبرص کے پہلے حملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اپنے شوہر عبادہ بن الصامت کے ساتھ گئی تھیں اور واپسی کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر ساحل سمندر پر جا کر جہاز پر بیٹھنے والی تھیں کہ گھوڑے سے گر کر وفات پاگئی تھیں۔

ان چھ احادیث میں سے پانچ احادیث میں جو حضرت انسؓ نے ام حرامؓ سے روایت کی ہیں ایک ہی مضمون اور تقریباً ایک ہی جیسے الفاظ ہیں صرف ایک حدیث جو ایک ایسے راوی سے بیان کی گئی ہے جس کے نام میں بھی شک ہے یعنی عمیر بن الاسود یا عمرو بن الاسود اس نے حضرت ام حرامؓ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے پہلے خواب کے بعد ان لوگوں کے لیے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خواب میں دیکھا تھا "قداوجبوا" کے

الفاظ میں جنت کی بشارت دی تھی اور دوسرے خواب کی تفصیل میں سمندری غزوہ میں جانے کے بجائے ''اول جیش یغزون مدینة قیصر مغفور لھم'' کے الفاظ لکھے ہیں جو یقیناً اس راوی کے اپنے اختیار کردہ ہیں، کیوں کہ رومیوں سے جہاد کی پانچ دوسری احادیث میں سمندری غزوہ کا ذکر ہے، اور ان میں سے ایک چوتھی حدیث جو باب ''رکوب البحر'' میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تبسم کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ''عجبت من قوم من امتی یرکبون البحر کالملوک علی الاسرة'' (مجھے خوشگوار تعجب ہوا کہ میری امت کے کچھ لوگ (جہاد کے لیے) سمندر میں ایسے سوار ہو کر جا رہے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوں۔

خشکی پر جنگ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی واقف تھے، بل کہ اس کا تجربہ بھی رکھتے تھے لیکن جزیرۂ عرب کے دوسرے لوگوں کی طرح بحری جنگ سے نہ کبھی واسطہ پڑا تھا اور نہ عہد جاہلی کی جنگوں میں کسی بحری جنگ کا ذکر ہے۔ پھر یہ کہ جدہ، عدن اور حجاز کے دوسرے چھوٹے بندرگاہوں سے چلنے والے چھوٹے بادبانی جہازوں کا شام ولبنان وغیرہ کے سواحل سے چلنے والے بڑے بادبانی جہازوں سے کوئی مقابلہ نہ تھا جو انتہائی کشادہ اور آرام دہ ہوتے تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مسلمان مجاہدین کو ایسے بڑے جنگی جہازوں میں سوار دیکھ کر بیدار ہونے پر تبسم فرمایا تھا اور تعجب کیا تھا۔

اب ظاہر ہے کہ یزید کا نام نہاد غزوۂ قسطنطنیہ تو ''صائفہ'' تو گرمائی بری حملہ تھا کیوں کہ وہ دیر مران کے آرام دہ، سیر وتفریح کے مقام پر دادِ عیش دینے کے بعد اپنے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجبور کرنے اور معزولی کی دھمکی پر اس رومی علاقے کی طرف روانہ ہوا تھا، جہاں مسلمان مجاہدین پہلے سے اپنے سالار سفیان بن عوف کی قیادت میں پہنچ چکے تھے اور وہاں بھوک، بخار اور چیچک کے وبائی امراض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو رہے

تھے۔ یہ علاقہ جس کا ذکر خود یزید نے اپنے دو اشعار میں ذکر کیا ہے، فرقدونہ (غرقدونہ، خلقدونہ مختلف عربی املاء) تھا جہاں ملطیہ وغیرہ مختلف سرحدی شہر تھے، جو اب بھی جنوبی ترکی میں موجود ہے یا اب زیادہ معروف خلقدونہ کے نام سے رومی مملکت کے جنوبی حصہ (اناطولیہ یا اناضول) میں تھا، یہاں پہنچ کر یزید اپنی کمک اور موجود فوج کے ساتھ شمال میں قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا تھا، تو اس کا ان زیر بحث احادیث بشارت میں شامل ہونا کسی طرح تصور نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ مغفرت کی بشارت انہی لوگوں کے لیے تھی جنہوں نے رومیوں کے خلاف سمندری راستہ سے جہاد میں حصہ لیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حرامؓ کو پہلے سمندری غزوہ میں شرکت کی بشارت دی تھی، جس میں وہ گھوڑے سے گر کر شہید ہو گئیں۔ اور بلاذری، طبری، ذھبی وغیرہ مورخین اور شارح بخاری حافظ ابن حجر کے مطابق یہ پہلی فتح قبرص ۲۸ھ کا واقعہ تھا، اس بحری حملے کی قیادت حضرت عثمانؓ کی اجازت سے حضرت معاویہؓ نے کی تھی اور سارے مورخین یہ بات صراحت سے کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ وہ پہلے شخص تھے جنہون نے رومیوں کے خلاف بحر روم میں سمندری جہاد کیا تھا۔ بلاذری، فتوح البلدان، (بتحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرہ ۱۹۵۶ء) صفحہ ۱۸۱ تاریخ الطبری (۲۶۲/۴ طبعہ دار المعارف) الذھبی تاریخ الاسلام (عہد الخلافۃ الراشدہ، ص ۳۲۴)

یہ نہ کہا جائے کہ معاویہؓ سے بہت پہلے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سنہ ۱۵ھ میں عمان اور البحرین (جزیرۂ عرب کا مشرقی ساحل) کے گورنر عثمان بن ابی العاصی الثقفی کے ایک بھائی الحکم بن ابی العاصی اپنے گورنر بھائی کے حکم پر ہندوستان کی اس زمانہ کی مغربی بندرگاہ تھانہ (اب بمبئی کے جنوب میں ایک چھوٹا سا ساحلی شہر) اور گجرات کی بندرگاہ بھڑوچ (عربی میں بروص) اور دوسرے مغیرہ بن ابی العاصی قدیم سندھی بندرگاہ دیبل (سندھی میں

دیول) پر سمندری حملے کر چکے تھے کیوں کہ ایک طرح کے استطلاعی حملے (Explorating expedition) تھے پھر بھی جب کامیابی سے ان حملوں کی واپسی کے عمان کے اس گورنر نے حضرت عمر کو ان کی خبر دی تھی تو وہ ناراض ہوئے تھے اور انہوں نے جواباً عثمان الثقفی کو ناراضگی کے ساتھ وارننگ دیتے ہوئے لکھا تھا: یاا خاثقیف حملت دو داعلی عودوا نی احلف باللہ الوا صبیو الاخدت من قو مک مثلھم) (اے ثقفی تم نے گویا کیڑوں کو تختوں پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی جان چلی جاتی تو میں تمھاری قوم کے اتنے ہی لوگوں کی جان لے لیتا (فتوح البلدان بلاذری، ص ۵۳۰)

درحقیقت حضرت معاویہ طویل عرصے شام میں عامل (گورنر) رہنے کے سبب شام اور لبنان کی بحری مہارت وطاقت سے واقف تھے، جو قدیم زمانے سے جہاز رانی میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور انہوں نے لبنان کے ساحلی شہر طرابلس (الغرب) میں ایک بڑا بحری بیڑا تیار کر رکھا تھا مسلمان حضرت عمرؓ کے عہد میں اپنے پرانے دشمن رومیوں کی بری عسکری طاقت کی شام میں کمر توڑ چکے تھے لیکن وہ ایک بہت بڑی بحری طاقت بھی تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ان کی اس طاقت کو بھی چیلنج کیا جائے اور اس کو کچل دیا جائے ایک سمندری جنگ میں، جس کی عربوں کو پہلے سے مہارت نہ تھی، حضرت عمرؓ مسلمانوں کی جان خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان سے یہ اجازت لینے میں کامیاب ہو گئے اور وہ خلیفہ ثالث کی اس شرط پر کہ معاویہؓ اپنی بیوی کو بھی اس بحری جہاد میں ساتھ لے جائیں گے چناں چہ وہ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کو ساتھ لے گئے تھے (فتوح البلدان، بلاذری ص ۱۸۱)

طرابلس (الغرب) کے شمال اور قسطنطنیہ سے قریب مغرب میں جزیرہ قبرص رومی

بحری طاقت کی ایک بیرونی بڑی چوکی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کرکے رومیوں کو کمزور کرنا چاہا، ۲۸ھ میں انہوں نے اپنے شامی بحری بیڑے کے ذریعہ اس پر حملہ کیا، قبرص کے حاکم نے مسلمانوں سے ڈر کر صلح کرلی ان شرائط پر کہ وہ مسلمانوں کو سالانہ سات ہزار دو سو دینار جزیہ ادا کریں گے، مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ نہیں کریں گے اور ان کے خلاف رومیوں کی کوئی مدد نہیں کریں گے، یہ وہ پہلا جہادی بحری حملہ تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئی تھیں اور ایک حادثے میں شہید ہوگئی تھیں۔ اور خواب میں اس بحری غزوہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استعجاب وتحسین کے ساتھ مسکرانا بالکل بجا تھا۔

لیکن چار سال بعد یعنی ۳۲ھ میں قبرص کے حکمران نے جو رومیوں کا باج گذار تھا معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رومیوں کی کچھ جہازوں سے مدد کی، اس پر حضرت معاویہ نے دوسرا حملہ ۳۳ھ میں کیا اور جزیرے پر قبضہ کرلیا، اور یہاں بارہ ہزار فوجیوں کو ان خاندانوں کے ساتھ آباد کیا اپنا ایک شہر بسایا اور مسجدیں بنائیں، یہ سب کچھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں ہوا یہی وہ دوسرا بحری جہاد ہے جس کو خواب میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے مسکرائے تھے یزید کا غزوہ قسطنطنیہ نہیں تھا کیوں کہ قبرص بھی صدیوں سے رومیوں کا ایک شہر تھا، اور قسطنطنیہ کی حفاظت کی اہم ترین بحری چوکی تھا افسوس کہ ستائیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے فوراً بعد یزید نے وہاں سے مسلمانوں کو واپس بلا لیا قبرصیوں نے دوبارہ اپنے جزیرے پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے بنائے ہوئے شہر کو منہدم کردیا۔

یزید کی قبرص سے پسپائی:

حضرت معاویہ کے ہاتھوں قبرص کی فتح کے بارے میں خلیفہ بن خیاط (تاریخ)

اور طبری و ذھبی وغیرہ نے کوئی تفصیلات نہیں دی ہیں صرف فتح کا ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (جلد ۷) ۲۸ھ اور ۳۳ھ کے حوادث کے ذکر میں فتح قبرص کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ متناقض اور خلط ملط ہے، صرف بلاذری ہی نے اپنی فتوح البلدان میں اس کے بارے میں صحیح و تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں اس نے تو محمد بن مصفّٰی الحمصی عن الولید کی سند سے بیان کیا ہے کہ یزید کو بہت بڑی رشوت دی گئی تھی جس کے عوض اس نے قبرص سے سب مجاھدین کو واپس بلا لیا اور اس کے بعد مسلمانوں کا تعمیر کردہ شہر (مدینۃ) اور اس کی مساجد منہدم کر دی گئیں (فتوح البلدان ص ۱۸۲)

ان محمد بن مصفی الحمصی کو امام ذہبی نے اپنی سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ میں ''الامام الحافظ عالم اھل حمص'' کے القاب سے یاد کیا ہے وہ سفیان بن عیینہ اور ولید بن مسلم وغیرہ کے شاگرد تھے اور ان سے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں احادیث مروی ہیں ۲۴۶ھ سنہ وفات ہے۔ اور ولید بن مسلم (وفات ۱۸۴ھ) تو شام کے مشہور محدث تھے جن سے ترمذی کی حدیث اسماء اللہ الحسنیٰ مروی ہے۔ اس لیے ابن مصفی الحمصی کی اس روایت کو کذب بیانی نہیں کہا جا سکتا۔

تو یہ ہے یزید کی جہاد سے محبت! ایسا شخص کہاں ''مغفورلہٗ'' کی بشارت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہاں صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر چہ وہ السابقون الالون میں سے نہیں بل کہ امام ابن تیمیہ (فتاویٰ) اور امام ذہبی وغیرہ کے مطابق الطلقاء اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے ان کو قبرص کی اہم فتح کی بنا پر مغفرت کی بشارت دی جا سکتی ہے یزید نے کون سے فتح کی تھی؟ کہ اس کو ناصبی مغفورلہ قرار دیں۔

وقعۃ الحرۃ:

۳۔ تیسری اہم بات جس کی بنا پر یزید اس بشارت مغفرت کا کسی طرح مستحق نہیں

ہوسکتا وہ اپنے تقریباً چار سالہ عہد کے آخری (ذی الحجۃ س ۶۳ھ) میں مدینہ طیبہ پر اس کا انتہائی ظالمانہ اور ناپاک وخون خوار حملہ تھا جس کو واقعۃ الحرہ (وقعۃ الحرۃ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ حملہ ۲۷ ذی الحجۃ ۶۳ھ سے تین دن تک جاری رہا، سیدنا حسینؓ اور دیگر شہداء کربلاء کا قتل ہی یزید کا تنہا جرم نہیں، اپنی شقاوت اور ظلم و بربریت میں یہ سانحہ کربلاء سے کم نہیں بل کہ بڑھ کر ہی تھا، اسلامی تاریخ کی کوئی کتاب اس خون ریز جنگ کے ذکر سے خالی نہیں، مگر افسوس کہ اردو میں اسلامی تاریخ پڑھنے والے کم لوگ ہی اس سے واقف ہیں، اور عام لوگ تو بالکل ہی نہیں جانتے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یزید کے اس جرم شنیع پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ انصار مدینہ کا ایک وفد جس میں صحابی عبداللہؓ بن حنظلہؓ اور عبداللہؓ بن مطیع اور دیگر اہل مدینہ شامل تھے، دمشق گئے، انہوں نے وہاں یزید کا جو حال دیکھا اور سنا، یعنی لہو ولعب کی زندگی، شراب خواری اور شعر و شاعری اور شوق شکار تو انہوں نے مدینہ واپس آکر یزید کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھوں سے اتار دیا، اسی طرح ایک دوسرے صحابی معقلؓ بن سنان الاشجعی کوفہ سے دمشق گئے اور وہاں جو یزید کے فسق و فجور کی باتیں سنیں تو وہاں سے وہ مدینہ منورہ آئے، اور یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح تقریباً تمام اہل مدینہ جن میں انصار و مہاجرین دونوں شامل تھے، یزید کی خلافت کے منکر ہو گئے، انہوں نے مدینہ میں یزید کے عامل (گورنر) اس کے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان، اور مروان بن الحکم الاموی اور دیگر اموی خاندان کے افراد کو مدینہ سے ملک بدر کر دیا اور عبداللہؓ بن حنظلہؓ کو اپنا امیر انتخاب کر لیا، یزید کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے ایک بڑی فوج ۲۵ ہزار البدایۃ والنہایۃ (۲۱۸/۸) کی روایت کے مطابق ۱۰ ہزار سوار، ۱۵ ہزار پیادہ ایک انتہائی سخت گیر اور بدمزاج اور درشت خو بڈھے کمانڈر مسلم بن عقبہ المرّی کی کمانڈ میں اہل مدینہ کی سرکوبی کے

لیے بھیجی اور حکم دیا کہ اہل مدینہ اگر آمادۂ جنگ ہوں تو ان کو شکست دینے کے بعد تین روز تک مدینہ قتل وغارت گری، لوٹ مار اور عصمت دری کرنے کے لیے فوجیوں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

اہل مدینہ اب کسی طرح یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، سخت جنگ ہوئی مدینہ کے انصار و مہاجرین اور ان کے موالی بڑی بے جگری سے لڑے صحابی عبد اللہؓ بن حنظلہؓ غسیل الملائکہ لڑتے ہوئے اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ شہید ہوئے، لیکن پچیس یا ستائیس ہزار کی فوج کے سامنے ان کا جمار ہنا مشکل تھا، دن بھر کی خوں ریز جنگ کے بعد ان کو شکست ہوئی۔ تین دن کے لیے اس خوں خوار بڈھے کمانڈر نے جس کو تاریخ نے اسکی بے وجہ خوں ریزی اور ظلم وزیادتی کی وجہ سے مجرم بن عقبہ اور مسرف بن عقبہ کا نام دیا، مدینہ طیبہ کو اپنے لشکریوں کی قتل وغارت گری، لوٹ مار و عصمت دری کے لیے چھوڑ دیا، انہوں نے بھوکے بھیڑیوں کی طرح اہل مدینہ کو قتل کیا گھروں کو لوٹا، پاک باز عورتوں کی عصمت دری کی، حتی کہ روایت کے مطابق ایک ہزار غیر شادی شدہ عورتوں کے بچے ہوئے،، مشہور تابعی امام زہری کی روایت کے مطابق انصار و مہاجرین کے سرکردہ سات سو لوگ شہید ہوئے اور دس ہزار عام آزاد وغلام اہل مدینہ مارے گئے (البدایۃ والنہایۃ ۲۲۱/۸)

یہ اعداد و شمار اگر چہ قدیم تر تاریخوں، طبری، خلیفہ خیاط، ابن الاثیر، المسعودی وغیرہ میں ہیں لیکن ہم نے یزید کے بعض موقعہ پر ثنا خواں مورخ اہل سنت (دیوبندی، بریلوی دونوں کے معتمد علیہ) مفسر قرآن حافظ حدیث ابن کثیر کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ سے پیش کئے ہیں۔ انہوں نے دیگر تمام مورخین کی طرح لکھا ہے کہ تین روز مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی قتل سے جو دو صحابی جابرؓ عبد اللہ الانصاری اور ابو سعیدؓ الخدری بچے تھے وہ چھپ گئے تھے، مسجد نبوی میں روایات کے مطابق سید التابعین سعید بن المسیب رہ گئے تھے جو خود اذان

دیتے اور اکیلے نماز پڑھتے تھے ان کو پکڑ کر اس خون خوار اور لعنتی کمانڈر کے سامنے لایا گیا اس نے حکم دیا ان کی گردن ماردو، لیکن مروان بن الحکم کی اس وساطت سے کہ یہ ایک پاگل آدمی ہے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

تین صحابی جنگ کے خاتمے کے بعد مسلم بن عقبہ کے سامنے لائے گئے، معقل بن سنان الاشجعی، محمد بن ابی حذیفہ، محمد بن الجہم اور تینوں کو اس کے حکم سے قتل کر دیا گیا، ساتویں ہجری کے مشہور محدث و محقق امام صغانی (۶۵۰ھ) صاحب مشارق الانوار نے اپنے ایک نادر رسالے "درالسحابۃ فی مواضع وفیات الصحابۃ" میں ان سات صحابہ کرام کے نام دیے ہیں جو اس مشئوم واقعہ حرہ میں قتل کیے گئے جو یہ ہیں:

۱۔معقل بن سنان الاشجعیؓ ۲۔عبداللہ بن حنظلہؓ غسیل الملائکۃ ۳۔محمد بن عمرو بن حزم الانصاریؓ ۴۔عبداللہ بن نوفل بن الحارثؓ ۵۔معاذ بن الحارث النجاریؓ ۶۔محمد بن ابی بکر بن کعب الانصاریؓ ۷۔عبداللہ بن زید بن عاصم الانصاریؓ

مصنف رحمہ اللہ نے یہ نام حروف تہجی کی ترتیب سے دیے ہیں، (ہم نے شہرت کے اعتبار سے یک جا جمع کر دئے ہیں) اور ہر نام کے ساتھ واقعۃ الحرہ کی تصریح کر دی ہے۔
یہ رسالہ جو بغداد کے کلیۃ الشریعہ کے مجلہ میں ڈاکٹر سامی مکی العانی کی تحقیق سے چھپا تھا بغداد ہی کے مطبعہ المعارف کی طرف سے ۱۹۶۹ء میں علیحدہ سے چھاپ دیا گیا ہے (۶۵ صفحات۔)
ذھبی کی سیر اعلام النبلاء، تاریخ طبری، تاریخ خلیفہ بن خیاط، البدایۃ والنہایۃ میں دو تین نام نظر آتے ہیں۔ لیکن امام صغانی نے بڑی جستجو اور تحقیق کے بعد تمام صحابہ شہداء حرہ کے نام پیش کر دیے ہیں ہم نے مناسب سمجھا کہ ان سب کے نام یہاں دے دیے جائیں۔

ایک اور انتہائی مشہور اور صاحب تحقیق مصنف امام ابن حزم اندلسی (وفات ۴۵۶ھ) جنہوں نے یہ لکھنے کے ساتھ کہ تین روز مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی یہاں تک لکھا

مستند ہے

ہے کہ یہ واقعۂ حرہ مسلمانوں کے سب سے بڑے مصائب وتباہی میں سے تھا کہ اس میں فضلاء مسلمین، بقیۂ صحابہ اور بزرگ تابعین علی الاعلان جنگ اور قید و بندش دست و پا کی حالت میں قتل کیے گئے، اس کے بعد وہ دل ہلا دینے والی عبارت لکھتے ہیں: وجالت الخیل فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وراثت وبالت فی الروضۃ بین القبر والمنبر (گھوڑے مسجد نبوی میں گھومتے پھرتے تھے انہوں نے قبر شریف اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان روضۂ جنت میں لید کی، پیشاب کیا۔) یہ ہے اس یزید کا عمل یا اس کے لشکر کا عمل جس کو ناصبی جنتی ہونے کی بشارت سے سرفراز کرتے ہیں ۔لعنت ہے اس پر جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف کی بے حرمتی کی اور اس پر جس نے اس کی اجازت دی۔

کیا ان محبان یزید کو بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں وارد ان احادیث کا علم نہیں جو حافظ ابن کثیر نے وقعہ حرہ پر کلام کرنے کے البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۳ پر جمع کر دی ہیں، اور جن کے مضامین ہیں ''جو بھی اہل مدینہ سے دشمنی کرے گا اللہ تعالی اس کو ایسا فنا کر دے گا جیسا نمک پانی میں زائل ہو جاتا ہے'' اور صحیح مسلم کی اسی مضمون کی دوسری دو حدیثیں: ''جو کوئی بھی مدینہ کے ساتھ برائی کرے گا اللہ اس کو پگھلا دے گا جیسا آگ میں تانبا پگھلا دیا جاتا ہے، یا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے'' یا پھر امام احمد بن حنبل کی یہ حدیث: ''جو اہل مدینہ کو ظالمانہ طور پر خوف میں مبتلا کرے اللہ اس کو خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے'' عن السائب بن خلاد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اخاف اھل المدینۃ ظلما اخافہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

ایسی ہی بعض دوسری احادیث کے ایراد کے بعد وہ کہتے ہیں ''وقد استدل بھذا الحدیث وامثالہ من ذھب الی الترخیص فی لعنۃ یزید بن معاویہ وھو روایۃ

عن احمد بن حنبل اختار ها الخلال و ابو بکر بن عبدالعزیز، و القاضی ابو یعلی و ابنه القاضی ابو الحسین و انتصر لذلک ابو الفرج ابن الجوزی فی مصنف مفرد جوز لعنته۔۔۔ الخ" اور اس حدیث اور ایسی ہی دوسری احادیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یزید پر لعنت کو جائز سمجھتے ہیں، اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت اس پر لعنت کے جواز کی ہے اور خلال و ابو بکر بن عبد العزیز اور قاضی ابو یعلیٰ اور ان کے بیٹے قاضی ابو الحسین نے امام احمد کی اسی روایت کو اختیار کیا ہے، اور امام ابو الفرج ابن الجوزی نے اس کو ایک خاص تصنیف سے ثابت کیا ہے اور یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے (۱)

حافظ ابن کثیر کا عجیب معاملہ ہے، وہ یزید کے بارے میں تناقض میں مبتلا ہیں، ایک طرف وہ یزید کے فسق، شراب خوری اور دوسری بدکاریوں کا اعتراف کرتے ہیں دوسری طرف اس کے خلاف خروج کو ناجائز قرار دیتے ہیں

وہ خود ہی مسلم بن عقبہ المری کے قتل وخون ریزی کے واقعات بیان کرتے ہیں جو اس نے یزید کی منشا بل کہ اس کے حکم سے کیے تھے وہ مسلم بن عقبہ جو حضرت عثمان کے بیٹے کو خبیث بن الطیب کے نام سے یاد کرتا ہے اس لیے کہ وہ اہل مدینہ کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ ان کی ڈاڑھی کے بال نوچوا تا ہے، وہ (ابن کثیر) تین دن تک کی جنگ کے واقعات بیان کرنے کے بعد صرف اتنا کہتے ہیں:

و قد اخطأ یزید خطئاً فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبه ان یبیح المدینة ثلاثة ایام، و هذا خطأ کبیر فاحش و ما انضم الی ذلک من قتل خلق من الصحابة و ابنائهم ، و قد تقدم انه قتل الحسین و اصحابه علی یدی عبید الله بن زیاد" اور یزید نے بڑی

(۱)۔ امام ابن جوزی نے لعنت یزید پلید کے جواز میں مستقل کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب کے شاندار علمی مقدمے سے "شاہ نفیس اکیڈمی لاہور" سے شائع ہو گیا ہے۔ (مہر حسین)

زبردست غلطی کی کہ اس نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ وہ تین دن کے لیے اپنے فوجیوں کو مدینہ طیبہ میں قتل وغارت گری وغیرہ ہر قسم کے جرم کی اجازت دے دے۔ یہ بہت ہی بڑی و زبردست غلطی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور ان کے فرزندوں کا قتل بھی ملا لیا جائے اور یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس (یزید) نے عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کا قتل کیا۔

آپ نے دیکھا کہ مدینہ طیبہ پر اتنے بڑے خونی حملے قتل وغارت گری وعصمت دری کو ابن کثیر صرف ایک زبردست غلطی کہتے ہیں حال آں کہ ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس کو ایک انتہائی جرم اور بربریت کہتے کیوں کہ اسلام میں تو کافر ممالک کی فتوحات کے بعد بھی ایسے خونی اور ناپاک اعمال کی اجازت نہیں۔ پھر وہ خود ہی تین دن کے یزیدی جیش کے جرائم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

وقد وَقَعَ فِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنَ الْمَفَاسِدِ الْعَظِيمَةِ فِي الْمَدِينَةِ النَّبَوِيَّةِ مَا لَا يُحَدُّ وَلَا يُوصَفُ، مِمَّا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَدْ أَرَادَ بِإِرْسَالِ مُسْلِمِ بْنِ عقبة توطيد سلطانه وملكه، ودوام أيامه من غير منازع، فعاقبه الله بنقيض قصده، وحال بينه وبين ما يشتهيه، فَقَصَمَهُ اللَّهُ قَاصِمُ الْجَبَابِرَةِ، وَأَخَذَهُ أَخْذَ عَزِيزٍ مقتدر وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ.

ترجمہ۔ اور ان تین دنوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ایسے ہولناک مفاسد واقع ہوئے جن کی انتہاء نہیں اور جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا جن کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، یزید نے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر چاہا تھا کہ اپنے اقتدار اور حکومت کو پائیدار کرے، اس طرح کہ حکومت بغیر کسی مخالف کے ہمیشہ اس ہی کی رہے لیکن اللہ تعالی نے اس

کی مراد کے بالکل خلاف اس کو سزا دی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کی تکمیل نہیں ہونے دی بل کہ جباروں کی کمر توڑنے والے نے اس کی کمر توڑ دی اور اس کی وہ پکڑ کی جو ایک غالب و مقتدر ہستی کرتی ہے۔اور تمھارے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ ان بستیوں کو پکڑتا ہے جو ظلم کرتی ہیں اس کی پکڑ بہت دردناک اور سخت ہے

حافظ ابن کثیر نے سورۂ ہود کی اس آیت نمبر ۱۰۲ کو جو وقعہ حرہ پر تبصرہ کے آخر میں لکھا ہے قرآن کریم میں یہ آیت قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم شعیب اور قوم فرعون کے کفر و ظلم و جبروت کے نتیجہ میں ان پر نازل ہونے والے عذاب استیصال کی تصریح ہے گویا یزید بھی ایسے ظلم و جبروت کا مرتکب ہوا تو اس کو اور اس کے تنفیذی ہاتھ مسلم بن عقبہ المری کو ایسے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ خون خوار اور دشمن مدینہ بڈھا جو صحیح حدیث نبوی کے مطابق یقیناً ملعون ہے، یہ تو اس ہولناک جرم کے تیسرے روز ہی مر گیا اور اپنی دوسری ناپاک مہم یعنی مکہ مکرمہ پر حملے اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو ہلاک کرنے کی مہم میں ناکام رہا اور یزید اس کے صرف ڈیڑھ ماہ بعد ہی مر گیا، اور اس کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تابع دیکھنا نصیب نہ ہوا، اور نہ وہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر نواسۂ ابی بکر رضی اللہ عنہما کو زیر کر سکا اور اس پر عذاب استیصال اس طرح ہوا کہ اس کے مرتے ہی اس کے خاندان یعنی بنی سفیان کے ہاتھوں سے خلافت یا صحیح الفاظ میں حکمرانی نکل گئی کیوں کہ یزید کے نوجوان صالح فرزند معاویہ ثانی نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ میرے خاندان کے مواخذے کے لیے میرے باپ کے جرائم ہی کافی ہیں اور ۴۰ دن یا دو تین ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا تھا۔

پھر تخت حکومت کے لیے امویوں کے دو گروہوں میں دمشق کے باہر جو خوں ریز جنگ مرج راہط کے مقام پر ۶۴ھ میں ہوئی اس میں ہزاروں اموی اور ان کے فوجی

مارے گئے اور حکومت یزید کے خاندان سے نکل کر مروان بن الحکم کے خاندان میں چلی گئی۔

اور آخر میں یہ کہ درس نظامی میں جو کتاب ڈھائی سو سال سے اب تک پڑھائی جاتی ہے یعنی شرح العقائد النسفیہ تصنیف علامہ تفتازانی (وفات ۷۹۲ھ) اس میں تصریح ہے: اتفقوا علی جواز اللعن علی من قتل الحسین او امر بہ او اجازہ او رضی بہ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک مما تواتر معناہ وان کان تفصیلہ احادا (سیدنا حسینؓ کو قتل کرنے والے یا اس کا حکم دینے والے اور اس پر راضی ہونے والے پر لعنت کرنے میں سب لوگ متفق ہیں، اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا سیدنا حسینؓ کے قتل پر راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا بنیادی پر تواتر سے ثابت ہے اگرچہ اس کی روایت خبر واحد کے زمرے میں آتی ہے

پھر اس کے بعد تفتازانی کہتے ہیں کہ ہمیں اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں کوئی توقف نہیں۔ علامہ تفتازانی کی یزید کے بارے میں اس رائے کو محدث و مؤرخ دمشق ابن العماد الحنبلی متوفی ۱۰۸۹ھ نے بھی اپنی مشہور کتاب شذرات الذھب (ج ۱، ص ۶۸، ۶۹) میں بغیر کسی تردید کے ذکر کیا ہے، انہوں نے یمن کے شافعی عالم یافعی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "واما حکم من قتل الحسین او امر بقتلہ ممن استحل ذلک فھو کافر وان لم یستحل ففاسق فاجر (اور جہاں تک سیدنا حسینؓ کے قاتل یا قتل کا حکم دینے والے کا تعلق ہے تو اگر وہ اس کو جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر اس کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ فاسق و فاجر ہے (ج ۱، ص ۶۹)

شذرات الذہب سے یافعی کا یہ قول نقل کرنے کے بعد جب میں نے یافعی کی مرآۃ الجنان دیکھی تو اس میں یہ قول موجود پایا (الجزء الاول صفحہ ۱۶۸، طبعۃ موسسۃ الرسالۃ، بتحقیق عبداللہ الجبوری ۱۹۸۴ء، بیروت) عفیف الدین عبداللہ بن اسعد الیمنی، امام ذہبی

اور حافظ ابن کثیر کے معاصر تقریبا پچاس کتابوں کے مصنف ہیں مکۃ المکرمۃ میں جہاں وہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور وہاں شیخ الحرم تھے، ۷۶۸ھ وفات پائی۔

سید رضوان علی ندوی، کراچی

مندرجہ بالا ابحاث سے ثابت ہوگیا ہے کہ یزید پلید فاتح قسطنطنیہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کے لشکر کو مغفرت کی بشارت دی گئی نیز یزید پلید اپنے سیاہ کارناموں، عترت نبوی کے قتل عام، مدینہ منورہ کی تاراجی، صحابہ کرام و ابنائے صحابہ رضی اللہ عنھم کے قتل عام اور کعبہ اللہ شریف پر چڑھائی و سنگ باری کے پیش نظر کسی مغفرت کا کس طرح مستحق ہوسکتا ہے۔ لہذا گزارش ہے کہ محض شیعوں کے رد میں یزید کی ناجائز حمایت اور وکالت کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالی تمام قدیم اور جدید فتنوں سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

سید مہر حسین بخاری

تجاوز عن ذنبہ الباری

کامرہ کلاں۔